اخلاقیات

(ETHICS)

گیارھویں اور بارھویں جماعت کے لیے

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

پروف دیکھ لیے 09/09/14

جملہ حقوق بحق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔

تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

بموجب سرکلر نمبر F.6-8/2009-IE مورخہ 03 مارچ 2011ء

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مصنفین: ۱۔ ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی

۲۔ ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

نگران: روحی نعیم ڈپٹی ڈائریکٹر

ناشر: آزاد بک ڈپو، لاہور

پرنٹر: گنج شکر پرنٹرز لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
ستمبر 2011ء	اوّل	اوّل	2000	35.00

فہرست

باب	عنوان	صفحہ نمبر
پہلا باب:	مذاہب کا تعارف	01
•	مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم	01
•	مذہب پر معاشرے کے اثرات	08
•	وحدتِ ادیان کا تصور	12
•	مذہب اور سائنس	15
دوسرا باب:	پاکستان میں مختلف مذاہب	20
•	اسلام	20
•	مسیحیت	26
•	ہندو دھرم	30
•	زرتشتیت	35
•	سکھ مذہب	39
تیسرا باب:	اخلاقی اقدار	43
•	اجتماعی عدل اور مساوات	43
•	معاشرتی ادارے	46
•	کام کی جگہ پر وقت اور پابندی وقت کی اہمیت	50
چوتھا باب:	آداب	53
•	کام کی جگہ کے آداب	53
•	انتظامیہ	54
•	ماتحت عملہ	54
•	خدمت گار	55
•	ملاقاتی	56
پانچواں باب:	مشاہیر	59
•	نیلسن منڈیلا ـــــ ضمیر کا قیدی	59
•	عبدالستار ایدھی ـــــ ایک چھتنار	64
•	مدر ٹریسا ـــــ مادرِ مہرباں	68
•	ڈاکٹر محمد یونس ـــــ بیماری و غربت کا مسیحا	72
•	نجیب محفوظ ـــــ عرب دنیا کا عظیم ناول نگار	76
•	جمشید نسروان جی مہتا ـــــ دریادل خدمت گار	80
	فرہنگ	84
	نصاب اخلاقیات کلاس گیارھویں	89
	نصاب اخلاقیات کلاس بارھویں	90

پیش لفظ

خدا تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات بنایا بلکہ حقائق کے ادارک کے لیے فہم و دانش عطا کی جس کی بنیاد پر وہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق ہی انسانیت کا بنیادی جوہر ہیں۔ اگر انسان میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جائیں تو وہ انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے اور ساری عقل و بینش اور مادی ترقی کے باوجود وہ حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کا ایک بنیادی کردار انسان کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنا قرار پایا ہے۔

عمومی تعلیم جہاں انسان کی کردار سازی پر زور دیتی ہے، وہاں اخلاقیات کے مقاصد تعلیم میں مذاہب کی بنیادی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ تا کہ سماجی زندگی میں طلبہ کو مذاہب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو اور مشاہیر کو شاملِ نصاب کرنے کا مقصد طلبہ کو مثالی نمونے مہیا کرنا ہے۔ اسی طرح تدریس اخلاقیات کا ایک مقصد یہ ہے کہ طلبہ کی تعلیم و تربیت کے دوران میں ان کا رشتہ ابدی اقدار سے جوڑ دیا جائے۔ تا کہ ابتدا ہی میں دیانت داری، سچائی، حکمت، عفت، شجاعت اور خدمتِ خلق کے لیے دردِ دل جیسی صفات پیدا ہو جائیں۔ یہ اخلاقی اقدار جہاں فرد کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتی ہیں، وہاں معاشرے کو ٹھوس بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔

انسانی زندگی میں مذاہب کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔ الہامی مذاہب میں تو خدائے بزرگ و برتر نے انسان کو نہ صرف رُشد و ہدایت، نجات اور زندگی بسر کرنے کے سلیقے اور جینے مرنے کے طور طریقے بتائے، بلکہ اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے ذریعے عملی نمونے بھی پیش کیے۔ غیر الہامی مذاہب کے بانیوں اور اصلاح کاروں نے اخلاقی اقدار کے ذریعے سے انسان کو بدلنا چاہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذاہب تمام اخلاقی اقدار کے مآخذ ہیں اور ان اقدار کی ترویج کا ذریعہ بھی۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں مذاہب نے انسان کی اخلاقی تربیت کی ہے، اور انسان کو روحانی سہارا بھی دیا ہے۔ اس سے جہاں معاشرے پُرسکون اور پُرامن رہے، وہاں انسان کو عظمت، عزت اور وقار بھی نصیب ہوا۔ حقیقت میں وہ تمام روایات، رسوم اور اقدار، جو سلامتی کے راستے کی طرف لے جاتی ہیں، ان سب کا سرچشمہ مذاہب ہیں۔ وہ تمام نیک لوگ جو انسانیت کے لیے دردِ دل رکھتے ہیں اور ہمیشہ خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتے ہیں، وہ سب کسی نہ کسی مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، جس میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ لیکن ہندو، مسیحی، سکھ، پارسی اور دیگر مذہبی اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ ان اقلیتوں میں ہندو اور مسیحی قریب قریب ایک جیسی تعداد میں ہیں اور یہ دونوں بڑی اقلیتیں ہیں جب کہ سکھ مذہب کے پیروکاران سے کم ہیں۔ تشکیل پاکستان سے لے کر اب تک یہ اقلیتیں پاکستان کے پُرامن شہری ہیں اور انہیں آئینی طور پر مذہبی آزادی حاصل ہے۔

عالمی مذاہب وہ سرچشمہ فیض ہیں، جن سے عالمِ انسانیت نے روحانی پیاس بجھائی ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے اتحاد، باہمی یگانگت اور ہم آہنگی کا ذریعہ بھی ہیں۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اور مذاہب ان کو یک جا کرتے ہیں۔ بھارت کے فلسفی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا

تھا کہ جو انسانوں کو جوڑے وہ دھرم ہے اور جو توڑے وہ ادھرم ہے۔ مذاہب فطرت کے قریب' بلکہ بعض مذاہب سراسر فطرت ہیں۔ یہ انسان کو محبت، رواداری اور یگانگت کا درس دیتے ہیں۔

مذاہب ہمسائیوں، مسافروں، نادار، مسکینوں اور دیگر ضرورت مندوں کے حقوق کا خیال رکھنے پر زور دیتے ہیں۔ وہ مریض کی عیادت کو عبادت اور خدمتِ خلق کو بلند درجہ اخلاقی فرض کی تکمیل قرار دیتے ہیں۔ اس طرح یہ مذاہب انسانوں کے اتحاد اور ہم آہنگی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

اخلاقیات کی اس کتاب میں ایسا مواد شامل نصاب کیا گیا ہے جو نہ صرف اخلاقیات بلکہ تعلیم کے مقاصد کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ مذاہب کی ترویج و ترقی میں معاشرے کا کردار کیا ہوتا ہے اور مذاہب کس طرح معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کے لیے پیش رفت کرتے ہیں۔ اسی طرح اجتماعی عدل اور مساوات کے لیے سماجی اداروں کی کارکردگی، وحدتِ ادیان کے تصورات اور سائنس اور مذاہب جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔

کتاب میں بڑے بڑے مذاہب کے اعتقادات اور ان کی تعلیمات کی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد طلبہ اندازہ کر سکیں گے کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے مذاہب نے کیا کردار ادا کیا ہے اور یہ کہ تمام مذاہب انسان کو نہ صرف اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ اس کی تربیت بھی کرتے ہیں۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی ہم میں سے ہر ایک کو معاشرے کے دیگر افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اچھے روّیے بہتر تعلقات کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ رواداری، حُسنِ اخلاق اور مہذب ہونے کے لیے ہمیں کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح کتاب میں ایسے مشاہیر کی زندگی اور فکر کا ذکر کیا گیا ہے جو آزادی، خودداری، دردمندی اور خدمتِ خلق کے سلسلے میں ہمارے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ ان میں نیلسن منڈیلا، عبدالستار ایدھی، مدر ٹریسا، ڈاکٹر محمد یونس، نجیب محفوظ اور جمشید نسرواں جیسی شخصیات کو شامل ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا 1973ء کا آئین تمام سیاسی جماعتوں نے اتفاقِ رائے سے منظور کیا' چنانچہ یہ اپنی تخلیق ہی سے ہمارے باہمی اتحاد اور یک جہتی کا مظہر ہے۔ اس میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی مذہبی سرگرمیوں کی آزادی کی ضمانت موجود ہے۔ اس لیے آئین سے اُخوت، بھائی چارے اور باہمی اخلاص و محبت کو فروغ ملا۔

تشکیل پاکستان کے دوران میں اور 14 اگست 1947ء کے بعد بھی قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریروں میں عوام کے باہمی اتحاد پر زور دیا۔ انہوں نے ہمیشہ اقلیتوں کے حقوق کا نہ صرف خیال رکھا' بلکہ علی الاعلان کہا کہ پاکستان میں اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی۔ 4 جولائی 1947ء کو انہوں نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں فرمایا: ''پاکستان میں اقلیتوں کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی، خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کا مذہب، عقیدہ اور ایمان پاکستان میں بالکل محفوظ اور سلامت رہے گا۔ وہ بلا لحاظ رنگ و نسل ہر اعتبار سے پاکستان کے شہری ہوں گے۔'' اسی طرح انہوں نے 11 اگست 1947ء کو ایک تقریر میں انہی باتوں کا اعادہ کیا۔

پاکستان کی ترقی، خوش حالی اور باوقار قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یہ ملک اندرونی طور پر، پُرامن اور متحد ہو اور ملک کے تمام باشندے، خواہ ان کا تعلق اکثریت سے ہو یا اقلیت سے، وہ یکسو ہو کر باہمی اتحاد اور یگانگت سے اس کی ترقی کے لیے کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے روشن مستقبل کے لیے مذہبی ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ رواداری، برداشت، محبت و یگانگت اور دوسروں کے مذہب کا احترام انسانیت کا زیور بھی ہیں اور ملکی ترقی و خوش حالی کی ضمانت بھی۔

مصنفین

باب
1

مذاہب کا تعارف

مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم

اکیسویں صدی کے آتے آتے ترقی کی رفتار تیز ہوگئی ہے اور ایسی معلومات، خبریں اور اطلاعات جن کے عام ہونے میں ہفتے، مہینے اور سال لگتے تھے' اب وہ لمحوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے، کہ دنیا بھر کے لوگ ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں' اور ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے لگے ہیں۔ پہلے دنیا کے کسی خاص خطے، ملک یا قوم کو جن مسائل کا سامنا ہوتا تھا' وہ ان سے خود ہی نمٹ لیتے اور دوسروں کو کانوں کان خبر نہ ہو پاتی تھی۔ اب یہ سیاسی سماجی اور معاشی مسائل کسی خاص علاقے، قوم یا خطے کی بجائے عالمی برادری کے مسائل بن گئے ہیں اور ان مسائل کو سمجھنا اور ان کا حل تلاش کرنا قدرے آسان ہوگیا ہے۔ اسی طرح پہلے دوسرے مذاہب کے بارے میں لوگ کم معلومات رکھتے تھے' اب انسان مذاہب کو بہتر طور پر سمجھنے لگا ہے۔ اس طرح ان کی سماجی حیثیت جاننے اور ان کی فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم کے نئے رجحانات پیدا ہو ہیں۔

مذہب کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ کے ہیں۔ یہ مذاہب حق کی تلاش، اپنی ذات کی پہچان اور وصالِ الٰہی کی منزل تک پہنچنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ مذہب ہم سب کو رواداری، محبت اور اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب نے انسانی معاشرت سنوارنے اور اخلاقی قدریں ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی نجی اور اجتماعی زندگی پر کسی اور عنصر نے اتنے گہرے اثرات مرتب نہیں کیے' جتنے مذاہب نے کیے ہیں۔

مذاہب انسانی فطرت کا حصہ ہیں۔ ہم لاکھ انکار کریں' یا اس سے دوری اختیار کریں۔ لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ مذاہب نے انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہ زندگی میں نظم اور ترتیب پیدا کرتے ہیں۔ مذہب ہماری معاشرتی زندگی کا ایسا ناگزیر عنصر ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں یہ فلسفے، علم الانسان، سماجیات اور نفسیات کا موضوع رہا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مذہب کو محض ایک سماجی ادارے کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ اس کی برتر حیثیت کو بھی تسلیم کریں۔

قدیم دور میں مذہب کے مطالعہ کا طریقہ آج کل کے دور سے مختلف تھا اور اسے پہلے سے طے شدہ نظریوں پر پرکھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معلومات کی بہم رسائی کے ذرائع کم ہونے کی وجہ سے مختلف مذاہب کے اثرات چند علاقوں تک محدود رہتے تھے۔ اہل یورپ کو سیاحت، تجارت اور توسیع پسندی کے لیے جب دوسری قوموں سے واسطہ پڑا' تو مذاہب کے بارے میں بھی تحقیق کا دائرہ وسیع ہوا۔

قدیم مذاہب کے بارے میں کئی صدیوں سے بہت کچھ لکھا جا رہا ہے' لیکن علم بشریات اور سماجیات کے ماہرین کے ہاں معلومات،

حقائق اور ثبوت ناکافی ہیں اس لیے مذاہب پر تحقیق کرنے والے کسی ایک نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے۔ البتہ آسمانی مذاہب کو سمجھنا آسان ہے، کہ خدائے برتر نے مقدس کتابوں، الٰہی صحیفوں اور اپنے نیک بندوں کے ذریعے انسان کو سیدھی راہ دکھائی ہے۔ ان الہامی یا آسمانی مذاہب کو ماننے والوں کی تعداد اربوں میں ہے۔ ان مذاہب میں ایک داخلی ربط موجود ہے۔ روحانی تجربہ سب میں قدرِ مشترک ہے۔

انیسویں صدی کے آخری عشروں میں عمرانیات، نفسیات اور علم بشریات سے دلچسپی رکھنے والے جن ماہرین نے مذاہب پر تحقیق کی، ان میں ای بی ٹائیلر، جیمز فریزر، سگمنڈ فرائیڈ اور روڈلف اوٹو زیادہ معروف ہیں۔ اب ہم مختصراً ان کے نظریات اور افکار کا جائزہ لیتے ہیں۔

سر ایڈورڈ برنٹ ٹائیلر

سر ایڈورڈ برنٹ ٹائیلر (Sir Edward Burnett Tylor) (2/اکتوبر 1832ء۔2/جون 1917ء) برطانیہ کے پہلے ماہر علم البشر (Anthropologist) ہیں۔ ان کے والدین کا تعلق ایک مسیحی فرقے کوئکر (Quakar) سے تھا۔ اس فرقے کے پیرو امن پسند اور صلح جو تھے، جو روایتی رسموں اور عقائد سے کنارہ کش رہتے۔ سولہ سال کی عمر میں انھوں نے سکول کی تعلیم مکمل کر کے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ کوئکر فرقے کا پیرو ہونے کی وجہ سے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے، یونیورسٹی میں داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ 23 سال کی عمر میں وہ تپ دق کے مرض کا شکار ہو گئے، اور انھیں علاج کے لیے امریکا جانا پڑا۔ ہوانا (کیوبا کا صدر مقام) میں ایک بس میں سفر کے دَوران ان کی ملاقات ایک شخص ہنری کرسٹی (Henry Christy) سے ہو گئی۔ کرسٹی بھی کوئیکر فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس اتفاقیہ ملاقات سے ان کی زندگی کا رخ بدل گیا۔ دراصل کرسٹی آثارِ قدیمہ اور نسلیات کا ماہر تھا۔ وہ میکسیکو کے قدیم ٹولٹک ثقافت (Toltec Culture) پر تحقیق کرنے میکسیکو جا رہا تھا۔ ٹولٹک میکسیکو کے قدیم حکمران تھے، اور انھوں نے ایک خاص تحریک کو پروان چڑھایا تھا۔ کرسٹی نے ٹائیلر کو بھی تحقیق پر آمادہ کر لیا اور وہ اگلے چھ ماہ اسی تحقیق پر لگے رہے۔ اب ٹائیلر کی زندگی کا رخ متعین ہو گیا، اور وہ چھ ماہ بعد لندن لوٹ آئے۔

ٹائیلر نے انسان کی تہذیبی تبدیلیوں کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے مطابق انسانی خصوصیات ترقی کرتی رہی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ غاروں میں رہنے والے انسان سے لے کر آج کے جدید انسان تک جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کی کڑیاں مکمل طور پر غائب نہیں ہوئیں۔ یعنی یہ تبدیلیاں اور تہذیبی ترقی ان کی پہلی تصنیف کا موضوع ہیں۔ انہوں نے تحقیق جاری رکھی اور 1871ء میں ان کی دوسری تصنیف قدیم ثقافت (Primitive Culture) شائع ہوئی۔ یہ کتاب اگرچہ پہلے سلسلے کی کڑی ہے لیکن یہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں انہوں نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں اپنا نظریہ روح پرستی (Animism) پیش کیا۔

اگرچہ مذہب کی ابتدا اور اس کی حقیقت کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال میں بہت سے نظریے پیش کیے گئے لیکن ان میں ٹائیلر نے مذہب کی ابتدائی شکل کے بارے میں سائنسی انداز میں بات کی ہے۔ ٹائیلر نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "مذہب ماورائی قوتوں پر اعتماد کا نام ہے"۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب کا تصور انسان کے روحوں پر اعتقاد سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص خواب میں ایسے رشتہ داروں سے ملتا اور بات چیت کرتا ہے جو مر چکے ہوتے ہیں یا زندہ تو ہیں لیکن دور دراز رہتے ہیں تو وہ روح کے وجود کا قائل ہو جاتا ہے۔ وہ خواب کو واہمہ نہیں سمجھتا بلکہ حقیقت تصور کرتا ہے اور روح کے وجود پر اس کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

قدیم انسان نے خوابوں سے یہ سیکھا ہے کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے اور یہ روح کا تصور ہی اینی مزم (روح پرستی) کی جان ہے۔ اگر نیند لمبی ہو جائے تو روح بدن کے قالب میں واپس نہیں آتی اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس طرح بدن تو بیکار ہو جاتا ہے مگر روح زندہ رہتی ہے۔ ٹائیلر اپنے مذہبی تصورات کو آفاقی قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ تصورات وحشی انسان کے زمانے میں ابھرے اور آج کے جدید دور میں بھی موجود ہیں۔ ٹائیلر کے ان نظریات کی تصدیق ان کے ہم عصر مفکرین نے کی۔ خاص طور پر ڈارون نے اس نظریے کو بہت سراہا ہے۔

سر جیمز جارج فریزر

سر جیمز جارج فریزر (Sir James George Frazer) (یکم جنوری 1854ء - 7 مئی 1941ء) برطانیہ کے ممتاز دانشور، علم الانسان کے ماہر اور مذہبی تاریخ کے محقق تھے۔ وہ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گلاسکو یونیورسٹی اور ٹری نیٹی (Trinity) کالج کیمبرج سے تعلیم حاصل کی۔ انہیں دورانِ تعلیم قدامت پرستی (Classic) سے دلچسپی رہی۔ وہ ساٹھ برس تک ٹری نیٹی کے رفیق (Fellow) بھی رہے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ دنیا نہ بدلنے والے قدرتی قوانین کے تحت چل رہی ہے۔

ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے عقائد کے مطابق ماورائی طاقتوں پر یقین رکھتا ہے اور اس یقین (ایمان) کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ جارج فریزر کے مطابق جادو اس ترقی کے زینے پر پہلا قدم ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں جس چیز کے جو جو پہلو نہ سمجھے جاسکتے تھے اسے جادو کا نام دے دیا جاتا تھا۔ انہوں نے مذہب کے بارے میں کہا تھا کہ مذہب کے کچھ پہلو نظر نہیں آتے اور اس طرح مذہب نے جادو کی جگہ لے لی ہے۔ لوگوں کو جب تک معلوم نہ تھا کہ ایک بیج سے درخت کیسے بنتا ہے وہ اسے جادو سمجھتے تھے جب کہ مذہب اسے خدا کی قدرت قرار دیتا ہے۔ اسی طرح اب سائنس کے کرشمے جادو لگتے ہیں۔ فریزر کے نظریات کے مطابق جادو، مذہب اور سائنس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

فریزر کے بقول مافوق الفطرت قوتوں پر یقین رکھنے سے دو قسم کے روّیے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان قوتوں کو برتر قوت تسلیم کر لیتا ہے، ایسا کرنے سے وہ عاجزی اختیار کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی فلاح ان طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح وہ مَنت، قربانی اور نذر و نیاز کے ذریعے ان طاقتوں کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سب مذہب کے دائرے میں آتا ہے اور دوسرا رویہ یہ ہے کہ وہ ان طاقتوں کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ یہ کچھ مذہب کی بجائے یہ جادو کے دائرے میں آتا ہے۔

فریزر نے مذہبی تاریخ میں بھی نمایاں کام کیا۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں قابلِ ذکر ہیں لیکن ان کی تصنیف گولڈن بوہ (Golden Bough) کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ جدید ثقافت کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ کتاب شاخِ زریں کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں اردو میں شائع ہو چکی ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ

سگمنڈ فرائیڈ(Sigmund Frued) (6رمئی 1856ء۔23رستمبر 1939ء) جرمنی میں پیدا ہوئے لیکن ابھی چار سال ہی کے تھے کہ ان کا خاندان وی آنا(آسٹریا) منتقل ہوگیا۔وی آنا یونی ورسٹی سے انہوں نے طب کی ڈگری حاصل کی،انہوں نے یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران قدیم اور جدید علوم کا خوب مطالعہ کیا۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ایک معالج جوزف برائر کے ساتھ مل کر نفسیاتی الجھنوں کے مریضوں (Histeria Patients) کا علاج شروع کیا۔انہوں نے مشاہدہ کیا کہ ہسٹریا کے مریضوں کو بھڑاس نکالنے دی جائے تو یہ مرض دور ہو جاتا ہے۔انہوں نے اِن مریضوں کے خوابوں کو بھی اہمیت دی۔فرائیڈ کا خیال ہے کہ خواب اور ہسٹریا دونوں خوف کے ذریعے پیدا ہونے والے خیالات اور احساسات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

فرائیڈ کے مذہبی تصورات کے جائزے میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ انہوں نے اعصابی امراض کے شعبے میں کام کیا۔تحلیل نفسی ان کا ذریعہ علاج بھی تھا اور انسانی باطن میں چھپے ہوئے پوشیدہ حقائق کو جاننے کا ذریعہ بھی۔انہوں نے شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا اور حاصل شدہ معلومات اور تجربات کا اطلاق پوری انسانی زندگی پر کیا۔اس طرح فرائیڈ معالج بھی ہیں،ماہرِ نفسیات بھی اور فلسفی بھی۔مذہب کے بارے میں ان کے مذہبی نظریات کا آغاز تحلیل نفسی سے شروع ہوتا ہے اور ان کے مذہبی نظریات کو اسی پس منظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔

فرائیڈ مذہب کو واہمہ قرار دیتے ہیں۔دراصل مذہبی تصورات ان کے ذہن میں جڑ نہ پکڑ سکے۔آخری عمر میں انہوں نے ''موسیٰ اور وحدانیت''(Moses And Monotheism) کتاب لکھی جس میں یہودی مذہب پر اعتراضات کیے۔یاد رہے کہ وہ خود یہودی تھے۔وہ مذہب کی اس قوت کے مداح ہیں کہ مذہب کے زیرِ اثر اعلیٰ درجے کی تہذیب پروان چڑھتی ہے۔

فرائیڈ ٹوٹی مزم (مظاہرِ فطرت میں سے کسی قبیلے کا امتیازی نشان) کو مذہب کی ابتدائی شکل کہتے ہیں۔فرائیڈ نے ٹوٹم پسندی (Totemism) کو مذہب کی ابتدائی شکل قرار دیا ہے۔قدیم تہذیبوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ہر قبیلہ مظاہرِ فطرت میں سے کسی چیز خصوصاً کسی جانور کو اپنا امتیازی نشان چُن لیتا پھر اسے اپنے لیے وجہ امتیاز سمجھتا اور سارا قبیلہ اس کا احترام کرتا۔اسے ٹوٹی مزم کہتے ہیں۔فرائیڈ کہتے ہیں کہ مذہب خاندانی تجربے سے اخذ ہوا۔جس میں بے بس بچہ جابر باپ کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔والد اسے ہر سہولت اور تحفظ دیتا ہے اور اس کے بدلے میں احترام چاہتا ہے۔وہ خدا پر ایمان کو ایک بے بس بچے کی بے بسی قرار دیتا ہے۔فرائیڈ نے مذہب کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا۔اس کے مذہبی افکار نے یورپ اور امریکہ کے حلقوں کو متاثر کیا۔

رڈلف اوٹو

رڈلف اوٹو(Rudlf Otto)(25رستمبر 1869ء۔6رمارچ 1937ء) بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔وہ الٰہیات کے استاد، مذہبی مفکر اور تاریخ دان تھے۔انھوں نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس تیس سالوں میں جو کچھ تحریر کیا اس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا رہے ہیں۔اوٹو جرمنی کے شہر پین (Peine) میں پیدا ہوئے انہوں نے گوٹی جن (Gottingen) یونی ورسٹی سے تعلیم پائی اور یہیں پڑھاتے رہے۔۔اگرچہ وہ ملک کے قانون ساز ادارے کے رکن بھی رہے لیکن ان کی شہرت ان کے مذہبی افکار کی وجہ

سے ہے۔ ان کی ساری زندگی عیسائی الٰہیات اور دیگر مذاہب کی حقیقت اور مذہبی تجربے کی تفہیم میں گزری۔

اوٹو کی مسیحیت کے علاوہ دیگر مذاہب میں دلچسپی اس قدر بڑھی کہ انہوں نے مذہبی تحقیق کے لیے ہندوستان، برما، چین، مصر، یروشلم اور دیگر کئی ممالک کے سفر کیے۔ انہیں ہندومت سے خصوصی دلچسپی رہی۔ اس لیے انہوں نے نہ صرف سنسکرت زبان سیکھی بلکہ اپنی کتاب "باطنیت ۔مشرق و مغرب" (Mysticism East And West) میں ہندومت اور مسیحیت کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا۔ انھیں ان اسفار کے دوران جو معلومات میسّر آئیں اُن سے انہیں دوسرے مذاہب کو سمجھنے میں مدد ملی۔

اوٹو نے کئی کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سے داس ہیلنگ (Das Helinge) جس کا انگریزی ترجمہ (The Idea of The Holy) کے نام سے ہوا۔ اس میں مقدس ہستی کا تصور پیش کیا۔ یہ کتاب 1917ء میں شائع ہوئی۔ انہوں نے باطنی تجربے یا روحانی واردات کو مذہبی روایت کا مغز قرار دیا ہے۔ ان کے مذہبی نقطۂ نظر کے مطابق مذہب میں روحانی تجربہ ہی مذہب کی جان ہے اور اس کے بغیر باقی سب ظاہری اعمال رسوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس باطنی تجربے یا روحانی واردات میں غیبی قوت کا احساس تو کیا جاسکتا ہے مگر اس کی تہہ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ ان کے نزدیک یہ غیبی قوت پراسرار بھی ہے اور انسان پر اس کی ہیبت اور رعب بھی طاری ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان میں عاجزی اور عقیدت جنم لیتی ہے۔ اوٹو کے یہ خیالات خدا پرستانہ مذاہب پر صادق آتے ہیں۔ دراصل اوٹو مذہبی تجربے کے غیر عقلی عناصر کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ انہوں نے مذہبی تاریخ پر بھی کام کیا ہے۔

اوٹو کے تصنیفی کام کی تحسین کرنے والوں میں پروٹسٹنٹ فرقے کے علاوہ فلسفی اور مذہبی تاریخ دان شامل ہیں۔ ان میں ہر ایک کو اپنے کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ زندگی کے آخری دس سالوں میں اوٹو نے چاہا کہ ماربرگ میں ایک عجائب گھر بنایا جائے جہاں مذاہب کا تقابلی جائزہ اس طرح لیا جائے کہ مردہ نوادر کی بجائے زندہ عقائد واضح ہوں۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ اوٹو 6 مارچ 1937ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

i۔ مذہب کی فلسفیانہ، سماجی اور نفسیاتی تفہیم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

ii۔ درج ذیل شخصیات پر نوٹ لکھیے۔

(الف) سر جیمز جارج فریزر　(ب) رڈلف اوٹو　(ج) سگمنڈ فرائیڈ

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب کے لغوی معانی کیا ہیں؟

2۔ آسمانی مذاہب کو سمجھنا کیوں آسان ہے؟

3۔ ٹائیلر نے مذہب کی ابتدا کے بارے میں کس ثقافت پر تحقیق کی؟

4۔ ٹائیلر نے مذہب کی تعریف کن لفظوں میں کی؟
5۔ جیمز فریزر کی معروف تصنیف کا نام کیا ہے؟
6۔ سگمنڈ فرائیڈ نے کس معالج کے ساتھ مل کر ذہنی الجھنوں کے مریضوں کا علاج شروع کیا؟
7۔ جیمز فریزر نے کس چیز کو ثقافتی ارتقا میں اہم خیال کیا؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ رڈلف اوٹو نے.................. میں دلچسپی لی۔
(ا) ٹوٹی ازم (ب) اینی مزم (ج) علمِ بشریات (د) غیر مسیحی مذاہب

2۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی سے مذہب کو سمجھنے کا رجحان
(ا) بڑھ گیا (ب) کم ہو گیا (ج) ختم ہو گیا (د) معمول کے مطابق رہا

3۔ اوٹو کے خیال میں مذہب میں.................. کو مغز کا درجہ حاصل ہے۔
(ا) عبادت (ب) باطنی تجربے (ج) عقائد (د) مذہبی تحقیق

4۔ .... نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں سائنسی انداز اپنایا
(ا) سگمنڈ فرائیڈ (ب) رابرٹ سن سمتھ (ج) روڈلف اوٹو (د) ٹائیلر

5۔ .... نے مذہب میں جادو کو اہمیت دی۔
(ا) ٹائیلر (ب) سر جارج جیمز فریزر (ج) رڈلف اوٹو (د) سگمنڈ فرائیڈ

6۔ داس ہیلنگ کے مصنف کا نام.................. ہے۔
(ا) فریزر (ب) اوٹو (ج) فرائیڈ (د) ٹائیلر

(د) کالم (الف) کا رابطہ کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دنیا کی بہت بڑی آبادی	مشترک مسائل	
داس ہیلنگ	فریزر	
ای بی ٹائیلر	آسمانی مذاہب	
ذرائع ابلاغ کی ترقی	اوٹو	
شاخِ زریں	روح پرستی	
	سگمنڈ فرائیڈ	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ سبق میں مذکور چار مفکرین میں سے ہر ایک کی تصویر، مختصر حالاتِ زندگی اور مذہب کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر لکھ کر چارٹ بنائیں اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ اگر آپ ادارے میں مذہبی عجائب گھر بنانا چاہیں تو کیا کیا چیزیں رکھیں گے۔ طلبہ کی آرا بھی شامل کریں۔

2۔ ای بی ٹیلر کی زندگی کے حسین "اتفاق" کو ذہن میں رکھ کر طلبہ کو چند ایسے واقعات سنائیں جن سے کسی شخصیت کی زندگی کا رخ بدل دیا ہو۔

❁❁❁

4۔ ٹائیلر نے مذہب کی تعریف کن لفظوں میں کی؟
5۔ جیمز فریزر کی معروف تصنیف کا نام کیا ہے؟
6۔ سگمنڈ فرائیڈ نے کس معالج کے ساتھ مل کر ذہنی الجھنوں کے مریضوں کا علاج شروع کیا؟
7۔ جیمز فریزر نے کس چیز کو ثقافتی ارتقا میں اہم خیال کیا؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ رڈلف اوٹو نے.................. میں دلچسپی لی۔

(ا) ٹوٹی ازم (ب) اینی مزم (ج) علمِ بشریات (د) غیر مسیحی مذاہب

2۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی سے مذہب کو سمجھنے کا رجحان

(ا) بڑھ گیا (ب) کم ہو گیا (ج) ختم ہو گیا (د) معمول کے مطابق رہا

3۔ اوٹو کے خیال میں مذہب میں.................. کو مغز کا درجہ حاصل ہے۔

(ا) عبادت (ب) باطنی تجربے (ج) عقائد (د) مذہبی تحقیق

4۔ .... نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں سائنسی انداز اپنایا

(ا) سگمنڈ فرائیڈ (ب) رابرٹ سن سمتھ (ج) روڈلف اوٹو (د) ٹائیلر

5۔ .... نے مذہب میں جادو کو اہمیت دی۔

(ا) ٹائیلر (ب) سر جارج جیمز فریزر (ج) رڈلف اوٹو (د) سگمنڈ فرائیڈ

6۔ داس ہیلنگ کے مصنف کا نام.................. ہے۔

(ا) فریزر (ب) اوٹو (ج) فرائیڈ (د) ٹائیلر

(د) کالم (الف) کا رابطہ کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دنیا کی بہت بڑی آبادی	مشترک مسائل	
داس ہیلنگ	فریزر	
ای بی ٹائیلر	آسمانی مذاہب	
ذرائع ابلاغ کی ترقی	اوٹو	
شاخِ زریں	روح پرستی	
	سگمنڈ فرائیڈ	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ سبق میں مذکور چار مفکرین میں سے ہر ایک کی تصویر، مختصر حالاتِ زندگی اور مذہب کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر لکھ کر چارٹ بنائیں اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ اگر آپ ادارے میں مذہبی عجائب گھر بنانا چاہیں تو کیا کیا چیزیں رکھیں گے۔ طلبہ کی آرا بھی شامل کریں۔

2۔ ای بی ٹیلر کی زندگی کے حسین "اتفاق" کو ذہن میں رکھ کر طلبہ کو چند ایسے واقعات سنائیں جن سے کسی شخصیت کی زندگی کا رخ بدل دیا ہو۔

❁❁❁

مذہب پر معاشرے کے اثرات

مذہب ایک معاشرتی ادارہ ہے۔ ہم معاشرے کی تاریخ کا مطالعہ کریں' یا مذہب کی تاریخ کا جائزہ لیں' تو ہمیں ہر دور میں مذہب اور معاشرہ لازم و ملزوم نظر آتے ہیں۔ مذہب معاشرے کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے اور اس میں مثبت تبدیلی لانا چاہتا ہے۔ اسی طرح جب معاشرے میں تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے' تو لازمی طور پر اس کے اثرات مذہب پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

قدیم دور میں بارہا ایسا ہوا، کہ ایک سلطنت یا ایک مخصوص آبادی میں عوام ایک مذہب کے پیروکار ہیں' لیکن والئی سلطنت نے مذہب تبدیل کر لیا۔ امرا اور سرداروں نے بادشاہ کی پیروی کی اور دوسرے لوگ بھی جوق در جوق اسی رنگ میں رنگے گئے۔ بظاہر تو ایک نیا مذہب معاشرے پر اثر انداز ہو رہا ہے، لیکن یہ معاشرتی تبدیلی دراصل پہلے مذہب پر اثر انداز ہوئی' اور وہ کمزور ہو گیا اور بعض اوقات گردشِ زمانہ سے وہ مذہب ختم ہو گیا' یا اس قدر کمزور ہوا کہ اس کے ماننے والے چند افراد ہی رہ گئے۔ مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک مذہب کو کروڑوں لوگوں نے قبول کیا اور کچھ عرصہ بعد اس کے ماننے والے چند لاکھ رہ گئے۔

مذاہب کے بانی نہ صرف اپنے مذہب کے بارے میں ہدایات دیتے ہیں' بلکہ وہ خود عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اُن کے زمانے میں اُس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس مذہب پر عمل کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب بانی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے' تو افراد کے عمل میں کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ کئی معاشی اور معاشرتی عوامل مذہبی عقائد میں کمزوری پیدا کر دیتے ہیں اور مذہب کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا رہا کہ نئے مذہب نے پرانے کے اثرات کم کر دیے۔

کوئی بھی مذہب فطرت کے جس قدر قریب ہوتا ہے، اس کے اثرات اسی قدر دور رس اور دیرپا ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں، کہ الہامی مذاہب نے انسان کو نیک و بد سمجھا کر عمل کرنا فرد کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ اعمال کی جزا اور سزا کا معاملہ آخرت پر اٹھا رکھا ہے۔ کچھ لوگ مال و دولت کی حرص' یا دوسری ترغیبات کی وجہ سے مذہب سے دور ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کچھ لوگ عبادات میں مصروف رہتے ہیں اور دنیاوی معاملات میں مذاہب کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ جن مذاہب میں آخرت کا تصور موجود ہے۔ اُن کے پیروکاروں پر اُن مذاہب کے اثرات نسبتاً دیرپا ہوتے ہیں۔

مذہب پر معاشرے کے اثرات کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ مذاہب اچھے برے کی تمیز سکھاتے ہیں' مگر بعض اوقات انسان اپنی خواہشات کو مذہب کا نام دے دیتے ہیں' اور مذہب کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔ یوں رفتہ رفتہ عقائد بدلتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ مذہب کی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔ یہ تو حالات کے مذہب پر اثر کی مثال ہے۔ مذہب بگاڑ کو سنوارنے اور مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے لیکن یہ کمزور ہو جائے' اور مسائل حل نہ ہو سکیں' تو کوئی تحریک اٹھتی ہے اور ردِ عمل مذہب کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل مذہب عدل و انصاف پر زور دیتا ہے اگر ایسا نہ ہو' تو انصاف سے محروم لوگ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بہت سی معاشرتی اقدار بھی بدل جاتی ہیں۔

آج جب کہ دنیا میں ذرائع ابلاغ نے بہت ترقی کر لی ہے' تو دنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ وسائل ابلاغ کے ذریعے معلومات کی

تیزی سے ترسیل نے افراداور معاشروں میں تبدیلی کا عمل تیز کر دیا ہے۔خاص طور پر ثقافتی میدان میں تبدیلی بہت واضح ہے۔مذہب جو کسی قوم کی ثقافت کا کلیدی جز وہوتا ہے۔اکثر اوقات اس کی تعلیمات پر عمل درآمد پوری طرح نہیں ہورہا ہوتا' جس کی وجہ سے معاشرہ طاقت ور اقوام کے زور دار ثقافتی حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے' آسانی سے تبدیلی کے عمل کا شکار ہو جاتا ہے۔موجودہ دور میں معاشی و معاشرتی نظریات، سائنسی اندازفکر اور نفسیاتی افکار نے دنیا کے مختلف معاشروں کو متاثر کیا اور آزاد خیالی کی لہر نے کمزور قوموں کو فکری انتشار سے دو چار کر دیا ہے۔

ماضی میں قوموں کے عروج وزوال کا یہ انداز بھی سامنے آتا رہا، کہ کسی قوم کا مذہب اوہام سے بوجھل ہو گیا' یا اس کی مذہبی توجیہات' یا خود مذہب ترقی کے فطری انداز میں حائل ہو گیا' تو وہ مذہب کمزور ہو گیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا' کہ یا تو مذہب اور معاشرے کے لیے کوئی فکری اور نظریاتی تحریک اٹھی اور تطہیر کے بعد حالات کو درست کر دیا گیا، یا پھر کسی دوسرے مذہب نے اس معاشرے پر اثرات قائم کیے اور وہ معاشرے پر چھا گیا۔جب لوگ نیا مذہب اختیار کرتے ہیں' تو اپنی معاشرتی رسوم کو پوری طرح چھوڑ نہیں پاتے' اور ایک مدت کے بعد وہ رسمیں سر اٹھاتی ہیں' اور اس مذہب کو اصل حالت میں نہیں رہنے دیتیں۔

نیا پن، نئی باتیں سوچنا اور نئی چیزیں پسند کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، یہ بھی مذہب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔اسلام برعظیم میں آیا، بدھ مت پھیلا، جین مت نے اثرات قائم کیے لیکن کوئی مذہب بھی ہندودھرم کے رسم ورواج کے اثرات سے نہ بچ سکا۔بعض اوقات کسی نئے مذہب کو غیر موثر کرنے کے لیے حکومتیں اور قومیں سیاسی چالیں بھی چلتی ہیں۔

جب مذاہب کسی خاص خطے سے باہر نکلے تو ثقافت کی تبدیلی پائی۔اب نئے معاشرے کی تعمیرنو (Reformation) میں دقتیں پیش آئیں۔کہیں قبائلی نظام کے طرزِ حیات نے راستہ روکا' اور کہیں پرانے مذاہب کی قدیمی روایات آڑے آئیں۔اگر مذہب میں وسعت نظر اور کشش ہے' تو وہ پھلتا پھولتا جائے گا ورنہ ٹکراؤ کی شکل میں معاشرتی رسوم اور ثقافت مذہب کے پھیلاؤ میں رکاوٹ بنیں گی۔الہامی مذاہب میں تو خدائے بزرگ و برتر نے جہاں اپنے بندوں کے ذریعے مذہب کو خیر بنا کر بھیجا' وہاں کی ثقافت، ماحول اور جغرافیائی حالات کے مطابق احکام دیئے' اور اس کے دیگر قوموں میں پنپنے کی گنجایش اور لچک پذیری بھی رکھی۔دیگر مذاہب بھی جہاں سے اٹھے' اس کے مراکز وہیں اسی معاشرے میں رہے (ہندومت کے تیرتھ ہند میں ہی ہیں)۔مگر مسئلہ اس دھرتی سے باہر کا ہے' جہاں آب و ہوا بدلتی ہے، خوراک بدلتی ہے' تو مذہب میں بدلتے حالات کے ساتھ بدل دینے کی گنجایش رکھی گئی۔جہاں اہلِ مذہب بضد ہوں وہاں مسائل پیدا ہوتے ہیں اور مذہب پر معاشرتی اثرات غالب آجاتے ہیں۔

بعض اوقات معاشرتی دباؤ ایک اور رخ اختیار کرتا ہے' اور وہ مثبت تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔جب مذہبی طبقے یا عوام' مذہب کے بارے میں خدشات کا شکار ہوتے ہیں' تو انھیں پھر سے خدا یاد آتا ہے۔ان حالات کا اثر یہ ہوتا ہے، کہ وہ اپنے دین اور مذہب پر زیادہ سختی سے کاربند ہو جاتے ہیں۔ظلم کا شکار مظلوم طبقہ اور زیادہ خلوصِ نیت سے مذہب کی پابندی کرنے لگتا ہے۔یعنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے اور مذہب کے باہمی عمل سے ایک دوسرے پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔صدیوں سے ایسا ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ تاریخ میں محفوظ ہے۔

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب پر معاشرے کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

2۔ قدیم اور جدید دور میں مذہب پر معاشرے کے اثرات کا فرق واضح کیجیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ ملک کے سربراہ کے مذہب تبدیل کرنے کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟

2۔ مذہب کے بانی کے بعد مذہب کی صورتِ حال میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

3۔ عقیدۂ آخرت سے کردار کیونکر متاثر ہوتا ہے؟

4۔ اپنی آرزوؤں کو مذہب کا نام دینے سے کیا ہوتا ہے؟

5۔ اہلِ مذہب اگر ضد کریں تو مذہب پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ معاشرے کے بااثر طبقے کے نئے مذہب کو قبول کرنے سے

(i) عوام پرانے مذہب پر ڈٹ جاتے ہیں　　(ii) پرانا، مذہب کمزور ہو جاتا ہے

(iii) پرانا مذہب بالکل ختم ہو جاتا ہے　　(iv) عوام بھی نیا مذہب قبول کر لیتے ہیں

2۔ معاشی اور سماجی عوامل مذہب کو.......................کرتے ہیں۔

(i) کمزور　　(ii) توانا

(iii) ملیامیٹ　　(iv) غیر موثر

3۔ عدل اٹھ جائے تو

(i) مذہبی اقدار بدل جاتی ہیں　　(ii) عوام میں سخت ردِعمل پیدا ہوتا ہے

(iii) معاشرتی اقدار تبدیل ہو جاتی ہیں　　(iv) الف، ب، ج

4۔ نیا مذہب اختیار کرنے کے بعد لوگ

(i) پرانی مذہبی روایات بھول جاتے ہیں　　(ii) معاشرتی رسمیں چھوڑ دیتے ہیں

(iii) نئی اور پرانی رسوم ایک ساتھ چلتی رہتی ہیں　　(iv) کوئی بھی نہیں

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لگائیے۔

1۔ مذہب اوہام کا شکار ہو تو معاشرہ ترقی کرنے لگتا ہے۔

2۔ الہامی مذاہب ایک دوسرے کے متصادم نظریات رکھتے ہیں۔

3۔ اگرچہ جدت پسندی انسان کی فطرت ہے۔ مگر مذہب پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

4۔ مذہب کی قوت جاذبہ اس کے لیے مفید ہوتی ہے۔

5۔ معاشرے کے قبائلی نظام تبدیلی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ مذہب پر اثر انداز ہونے والے عناصر کی ایک فہرست مرتب کریں۔ اثر کے لحاظ سے ان کی درجہ بندی کریں اور خوش خط لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ مختلف مذاہب پر اثر انداز ہونے والے عناصر اور عوامل سے طلبہ کو آگاہ کریں۔

2۔ سوال و جواب کی نشست میں طلبہ کو بتائیں کہ الہامی مذاہب پر حالات کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

وحدتِ ادیان کا تصور

مذاہب کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی دور مذاہب کے وجود سے خالی نہیں رہا۔ نیز مذاہب نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ مذاہب ہی ہیں جو انسانی زندگی کو بامعنی بناتے ہیں۔ آج بھی کروڑوں انسان مذہبی ہدایات پر صدقِ دل سے یقین رکھتے ہیں' اور ان ہدایات پر عمل پیرا ہو کر نجات کے لیے پر امید ہیں۔ دنیا میں پائے جانے والے مذہبی نظریات میں باہمی فرق موجود ہے' لیکن یہ سارے مذاہب انسان کو مساوات، ہمدردی، خدمتِ خلق، دیانتداری اور دیگر بہت سی اخلاقی تعلیمات دیتے ہیں۔ ان مختلف مذاہب میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔

تمام بڑے مذاہب کا بنیادی عقیدہ یہ ہے' کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی رہنمائی کے لیے پیغام بر بھیجے۔ انھیں صحیفے دیے۔ ان رسولوں اور نبیوں نے ان ہدایت ناموں کی روشنی میں عمل کے ذریعے قوموں کی رہنمائی کی۔ مختلف زمانوں میں جو نبی آئے' انھوں نے قوموں کو جو تعلیمات دیں' ان کا تفصیلی مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک تھیں' لیکن ان میں قوموں کی ثقافتی اور سماجی زندگی اور جغرافیائی حالات کے حوالے سے کچھ فرق بھی تھا۔ ان تعلیمات کا مرکز اور اساس ایک ہی ہے۔ توحید ان سب میں قدرِ مشترک ہے۔ اسی لیے قدیم ادوار سے عصرِ حاضر تک انسانی رہنمائی کی بنیاد یہی ایک چلی آ رہی ہے۔

واضح رہے کہ الہامی مذاہب تو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ زمانے کی ضروریات پوری کرنے اور معاشرتی بگاڑ درست کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف پیغمبر بھیجے۔ غیر الہامی مذاہب کی بہت سی اقدار سراسر اخلاقی ہیں۔ جھوٹ سے بچنا، دوسروں کی حق تلفی نہ کرنا' عبادات میں باقاعدگی، دیانتداری، خدمتِ خلق وغیرہ پر سب ہی مذاہب زور دیتے ہیں۔ گویا مذاہب کی بہت سی اقدار میں یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔

اس کی توجیہہ یوں بھی کی جاسکتی ہے' کہ خارجی حقائق کے حوالے سے یہ مذاہب الگ الگ نظر آتے ہیں۔ اعتقادات کی دنیا میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ ان کے طریقۂ ہائے عبادت بھی ایک دوسرے سے کم کم ملتے ہیں۔ ان کے ثقافتی مظاہر بھی یکساں نہیں' لیکن اندر سے ان کی سمت ایک ہے۔ وہ اعتقادات جن کا تعلق ماورائیت سے ہے۔ ان کے حوالے سے یہ مذاہب کم از کم ایک بڑی بنیادی حقیقت پر متحد ہو جاتے ہیں' اسے ہی وحدتِ ادیان (Transcendental Unity of Religion) کہا جاتا ہے۔ وحدت ادیان ہی انسانی مساوات اور باہمی انسانی تعاون کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

دراصل تمام الہامی مذاہب کی اصل ایک ہے۔ ان کے تصورات اور تعلیمات میں عصری تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے' کیوں کہ وہ مختلف زمانوں میں روشناس کرائے گئے۔ وہ روئے زمین پر ایک دوسرے سے مختلف فاصلوں پر رہنے والوں کے جغرافیائی خطے میں نازل کیے گئے' مگر ان سب کی تعلیمات کا سرچشمہ ایک ہے۔ ان مذاہب کا ذریعہ علم بھی ایک رہا ہے۔ انھوں نے جن صداقتوں کے تسلیم کرنے پر زور دیا' وہ زمانے اور فاصلے کے بُعد کے باوجود ایک ہیں۔ ہزاروں سال کے فاصلے کے بعد بھی الہامی مذاہب کی تعلیمات کے نتائج میں مماثلت

پائی جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ کسی گروہ نے بغاوت کی' یا بنیادی تعلیمات میں اپنے پاس سے خارجی تصورات شامل کر دیے' تو مذہب کی شکل بدل گئی اور اگر وہ توہمات کا شکار ہوا تو نتائج بھی مختلف نکلے مگر ان مذاہب کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور اس کی واحدانیت ہی رہی۔

جب مذاہب کی بنیاد ایک ہے' تو کہا جا سکتا ہے کہ مختلف خطوں میں آنے والے پیغام بر ایک ہی پیغام لائے' خواہ ان کا تعلق عرب، مصر اور ایران سے تھا' یا جاپان، چین، ہندوستان، یورپ اور افریقہ سے' یا دنیا کے کسی اور خطے سے، وہ ایک اعلیٰ ذات کے پیدا کردہ تھے۔

ارسطو نے بھی ایک فلسفیانہ تصور دیا۔ اس کے مطابق ایسی حقیقت جو مطلق نیکی یا فضیلت کے بارے میں ہے' اس کا بیان کرنا آسان نہیں۔ البتہ وجدان سے اسے سمجھا جا سکتا ہے۔ ارسطو سے متاثر ہو کر مابعد کے فلاسفہ نے اس برتر حقیقت کو خدا کا نام دیا' اور اسے فطرت (Nature) سے برتر کہا ہے اور اس کو یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ مذاہب کے ماورائی اتحاد سے کیا مراد ہے؟

2۔ مذاہب کے مقاصد میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بحث کیجیے۔

3۔ بڑے بڑے مذاہب کے بنیادی عقائد ایک ہیں۔ واضح کیجئے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ مذاہب انسانی زندگی کو کیسے بامعنی بناتے ہیں؟

2۔ مذاہب کی پانچ مشترک باتیں کون کون سی ہیں؟

3۔ مذاہب ایک دوسرے سے کن باتوں میں مختلف ہیں؟

4۔ اختلافات کے باوجود مذاہب کی کون سی بنیاد ایک ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ تمام پیغام بروں اور نبیوں کی تعلیمات ....

(ا) بظاہر ایک جیسی تھیں (ب) ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں

(ج) بالکل ایک جیسی تھیں (د) بنیادی عقیدہ اور اقدار ایک جیسی تھیں

2۔ مذاہب میں ایک قدر مشترک ہے۔

(ا) توحید (ب) رسالت (ج) اقدار (د) نیکی

3۔ الہامی اور غیر الہامی مذاہب میں..................... میں یکسانیت موجود ہے۔

(ا) عقیدہ توحید (ب) عبادات (ج) اخلاقی اقدار (د) عبادات اور اقدار

4۔ خارجی حقائق کے اختلاف کے باوجود ایک بنیادی حقیقت..................... پر سب متحد ہیں۔

(ا) ماورائیت (ب) اصل (ج) وحدتِ ادیان (د) ذریعہ علم

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ الہامی مذاہب کی..................... ایک ہے۔

2۔ اکثر مذاہب کی تعلیمات کا..................... ایک ہے۔

3۔ مذاہب کی تعلیمات کے نتائج میں..................... پائی جاتی ہے۔

4۔ ارسطو کے مطابق مطلق نیکی کو..................... کے ذریعے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

5۔ مختلف مذاہب کا ذریعہ علم..................... ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ کتاب خانے جا کر مختلف مذاہب کی کتابوں سے وحدتِ ادیان کے بارے میں مطالعہ کریں۔

2۔ ایسے نکات نوٹ کریں جو وحدتِ ادیان کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ سے الہامی مذاہب کی مشترک نکات کی فہرست تیار کروائیں۔

2۔ الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی مشترک اخلاقی اقدار کا چارٹ تیار کروائیں۔

مذہب اور سائنس

صدیوں پہلے کسی چیز کی قدر و قیمت کے تعین کے لیے انسان مشاہدے سے کام لیا کرتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسانی شعور نے ترقی کی تو تجربات کیے جانے لگے۔ سائنس کی طرف پیش قدمی جاری رہی' لیکن حقائق کو ترتیب دے کر باقاعدہ نتائج اخذ کرنا بعد کی بات ہے۔ یونان میں سائنس کی بجائے فلسفے سے علمی نظریے قائم کیے جاتے رہے۔ انسانوں میں کچھ اور بیدار پیدا ہوئی' تو حقائق تک رسائی کا موجودہ سائنسی طریق اختیار کیا گیا۔ اب کسی مسئلے کے حل کے لیے پہلے مفروضے قائم کیے جاتے ہیں، غور وفکر اور مشاہدات کے بعد اعداد و شمار اکٹھا کر کے تجربات کیے جاتے ہیں اور تجربات کی کامیابی پر انھیں بار بار دہرا کر اصول بنائے جاتے ہیں۔ یہ سائنسی طریقۂ کار ہے اور آج کے دور میں یہ حصول علم کا ایک اہم ذریعہ بن چکا ہے۔ گذشتہ صدی میں سائنسی اندازِ فکر کے بعد یہ سوال شدت سے اٹھایا گیا، کہ کیا مذہبی حقائق تک رسائی سائنس کے ذریعے ممکن ہے؟ بلکہ ایک طبقے نے زور دیا، کہ تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر جو کچھ پورا اترے اسے مان لیا جائے' اور باقی رد کر دیا جائے۔

کیا مذہب میں یہ سب کچھ ممکن ہے؟ کیا مذہب اور سائنس میں تضاد ہے اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ کیا کوئی ذریعہ علم ایسا ہے جو تجربے کا بدل ہو سکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں' جو انیسویں صدی میں سائنس کی ترقی کے بعد پہلے مغرب میں بعد ازاں ساری دنیا میں اٹھائے جانے لگے۔ مذہب کا تعلق صرف زمینی حقائق سے نہیں' بلکہ مابعد الطبعیات سے بھی ہے۔ اس میں ایمان بالغیب اور اعتقادات کی بات ہوتی ہے اور اس کو سائنس کے ذریعے ثابت کرنا ممکن نہیں۔ ماورائی حقائق تک رسائی کا ذریعہ وحی ہے جس کے ذریعے خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ علم دیتا ہے' اور تمام الہامی مذاہب میں حصولِ علم کا یہ ذریعہ مسلّم ہے۔

زندگی کے حقائق جاننے اور دینی علوم کے ادراک کا ایک ذریعہ عقلِ انسانی ہے' مگر ماورائی حقائق تک اس کی رسائی نہیں ہے' البتہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ معقول اور غیر معقول امور میں تمیز کرتی ہے۔ وحی کے سلسلے میں عقل صرف قرینِ عقل' یا قابلِ قبول ہونے' یا نہ ہونے کے بارے میں فیصلہ دیتی ہے۔ اقبال نے اپنے فلسفیانہ مباحث میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

''یہ امر قابلِ غور ہے، کہ قرآن مجید اپنے متبعین میں حقیقتِ نفس الامری کا احترام پیدا کرتا ہے۔ اسی چیز نے آگے چل کر انھیں (مسلمانوں کو) جدید سائنس کا بانی بنایا۔ ایک ایسے دور میں جب کہ معرفتِ الٰہی کے لیے مشاہدات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی، یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ مشاہدات و تجربات کے ذریعے عرفانِ حق پیدا کیا جائے''۔ (تشکیل الٰہیات جدید، ص ۱۸)

سائنس اور مذہب کے حوالے سے ایک گروہ کا خیال ہے، کہ مذہب ہدایت، رہنمائی اور نجات کے لیے ہے۔ آسمانی کتب اور صحیفے رہنما اصول مہیا کرتے ہیں۔ جب کہ سائنس انسان کو سہولیات دیتی ہے' اور اپنے علم کے حتمی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ اس کے حقائق، تجربات اور مشاہدات کے باوجود بدلتے ہیں۔ اسی لیے یہ حتمی ذریعہ علم نہیں۔ جب کہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے، کہ نظامِ فطرت سے سائنس جس طرح پردہ اٹھا رہی ہے اس سے سائنسی قوانین فطرت کو آشکارا کر کے مذہبی حقائق کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ مذہب کی شارح بن رہی ہے۔ اس سلسلے میں ایک سائنس دان الیور کا کہنا ہے کہ مذہب کی جانی دشمن کے طور پر جنم لینے والی سائنس' آخر کار اس کی عاجز

ترین خادمہ بن گئی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ سائنس کیا ہے کا جواب دیتی ہے اور مذہب کیوں کا۔ بلکہ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ سائنس جزوی صداقت کا اعلان کرتی ہے۔ مثلاً یہ قانونِ فطرت ہے کہ چیزیں ٹھنڈی ہو کر سکڑتی ہیں جب کہ پانی برف بن کر پھیلتا ہے۔ یہ سائنس کی تجربہ شدہ حقیقت ہے۔ اب سائنس کہتی ہے کہ یہ پانی کی خاصیت ہے۔ مذہب اس معاملے میں کیوں ہے کا جواب دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ پانی کی اس خاصیت کے نتیجے میں خالق نے اپنی آبی مخلوق کی بقا کی ضمانت دی ہے۔

مذہب کے احکام دراصل تجزیاتی رپورٹ نہیں ہوتے' بلکہ وہ صرف نوعِ انسان کے لیے ہدایت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مذہب کہتا ہے کہ دودھ کا استعمال مفید ہے، شہد میں شفا ہے' یا فلاں کام نہ کیا جائے۔ سائنس تجزیہ کر کے بتاتی ہے کہ دودھ اور شہد کے صحت مند عناصر اور پہلو کون کون سے ہیں۔ اس بات کا جائزہ بھی ممکن ہے کہ جس بُرے کام سے روکا جا رہا ہے اس کے طبی یا نفسیاتی نقصانات کیا ہیں؟ دراصل مذہب کی ہر بات کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھنا تو ممکن نہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے' جو معقول اور غیر معقول امور میں تمیز کرتی ہے۔ ایک اخلاقی حِس بھی انسان میں موجود ہے' جو نیک و بد میں فرق کا شعور دیتی ہے۔ اسی طرح ایک روحانی جوہر بھی انسان میں موجود ہوتا ہے۔

جب بظاہر نظر آنے والی چیزوں یا واقعات کے اسباب نامعلوم ہوں' تو عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ انسانی عقل و شعور ہی سے عقلی استدلال (Reasoning) ممکن ہوا۔ مذہب میں بھی یہ اہمیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر مذہب کی ابتدا کے بارے میں کئی نظریے ہیں' اور کئی دعوے' اور بہت سے مدعی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات اور انسان کا خالق خدا تعالیٰ ہے۔ اس دعوے کے مدعی مختلف سرزمینوں سے اس دعوے کو وقفے وقفے سے دہراتے رہے۔ عقل ایسے دعوے کو قبول کرتی ہے۔ اسی طرح موت کے بعد زندگی کے بارے میں عقل اس بات کو تسلیم کرے گی' کہ دنیا میں اچھے برے اعمال کی کامل جزا سزا ممکن نہیں' تو پھر کہیں تو انصاف ضروری ہے۔ گویا مذہبی معاملات میں Reasoning کا جواز موجود ہے۔

محققین میں سے میکس مُلر (Max Muller) کا خیال ہے کہ مذہب کے مظاہر کا احتیاط سے معائنہ کیا جائے۔ سائنسی انداز میں مفروضوں کا جائزہ لیا جائے اور گواہی (Evidence) کی بنا پر صحیح اور غلط کا فیصلہ کیا جائے' تو مذاہب کی وضاحت ممکن ہے۔ تاریخی تحقیق سے مذاہب کے ابتدائی تصورات اور اعمال کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ ٹیلر نے مُلر کے اس نظریے ''مذہبی سائنس'' (Science of Religion) کی تائید کی ہے۔ البتہ مُلر نے یہ اعتراض بھی کیا کہ اس سے لَا اَدْرِیُ (یہ عقیدہ کہ خدا کی حقیقت کوئی نہیں پا سکتا) کو تقویت ملے گی۔ دراصل مسئلہ مذہب تک سائنس کے ذریعے رسائی میں مشاہدے کے عقلی طریق (Empirical Method of Observation) اور مفروضوں کی تصدیق کا ہے۔ یہ مذہبی مظاہر وسیع اور گہرے ہیں۔ ان کے مطالعے کے لیے بڑی توجہ، بے تعصب تحقیق اور مختلف زاویوں سے تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ بعض اوقات کچھ سائنس دان اس گہرے تجربے سے نہیں گزرتے۔

میری کیتھلین کننگھم (Mary Kathileen Kinningham) نے بھی سائنس اور مذہب کا جائزہ لیا ہے۔ اس زاویے سے کہ اعداد و شمار اور نظریات سائنس کے اہم جزو ہیں اور مذہب میں بھی ایسا ہی ہے۔ سائنس میں خصوصی مشاہدہ اور تجرباتی اعداد و شمار کا طریقہ بیکن اور مِلر کے عہد سے رائج ہے۔ بات مشاہدے سے شروع ہوتی ہے اور اعداد و شمار میں دیے گئے انداز سے جو صورتیں نظر آتی ہیں' ان کی عمومیت

سے نظریہ بنایا جاتا ہے۔ اس اندازِ فکر پر تنقید کرتے ہوئے چار معیارات ضروری قرار دیے گئے ہیں۔

1- اعداد و شمار کے ساتھ مشاہدات کی مطابقت

2- ایک نظریے کی دوسرے نظریات سے مطابقت

3- جامعیت اور عمومیت

4- مستقبل کی تحقیقات کے لیے ڈھانچے کی گنجایش

مذہب میں اعداد و شمار مذہبی تجربات ہیں؛ جن میں تصورات وعقائد کا ایک ضابطہ ہے۔ یہ تخلیقی تخیل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ تجربات کی بنیاد پر عقائد کو پرکھا نہیں کیا جاسکتا۔ کہانیاں اور رسوم دوسرے مسلمہ عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ مذہب ظاہری مفاہیم میں سائنس ہونے کا دعویدار نہیں۔ البتہ سائنس کے اندر دریافت کی روح کو کسی حد تک ظاہر کرسکتا ہے۔ علم کی حدود وسیع ہو رہی ہیں اور انسانی شعور بھی مسلسل ترقی پذیر ہے۔ سائنس نے تحقیق کو وسعت دی ہے۔

مذہب اور سائنس کے میدانِ عمل الگ بھی ہیں، ایک بھی اور کہیں ایک دوسرے کے میدانِ عمل میں دخیل (Overlaping) بھی ہیں۔ البتہ بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس اپنی ہی تحقیقات کو مزید تحقیقات کے بعد بدل دیتی ہے جب کہ مذاہب کے دیے گئے تصورات دائمی اور غیر متبدل ہیں۔ اس کی وضاحت ایک دو مثالوں سے ہو جاتی ہے۔

نظامِ شمسی کے بارے میں یونانیوں کے دور سے یہ نظریہ قائم رہا ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج، چاند اور دیگر اجرامِ فلکی اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں کوپرنیکس، گلیلیو اور کیپلر وغیرہ نے سورج کو ساکن اور زمین کو متحرک قرار دیا۔ جب کہ بیسویں صدی میں آئن سٹائن اور دیگر سائنس دانوں نے زمین، سورج اور دیگر اجرامِ فلکی کو متحرک قرار دیا۔ مذہب مثلاً قران مجید میں چودہ صدیوں سے اجرامِ فلکی کو متحرک قرار دیا ہے۔ (سورۃ 36 آیت 40)

اسی طرح ڈالٹن نے ایٹمی نظریہ پیش کیا اور بتایا کہ ایٹم نا قابلِ تقسیم ہے اور بعد میں جے جے تھامسن اور ردرفورڈ نے اسے قابلِ تقسیم قرار دیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایٹم کے مرکزہ میں الیکٹرون دریافت کیا گیا جب کہ 1932ء میں جم چیڈوک نے نیوٹران دریافت کر کے اور ہائزن برگ نے تجربات کے بعد الیکٹران کے نیوکلیس میں نہ ہونے کی تصدیق کر دی، جدید نظریے کے مطابق مرکزہ میں نیوٹران اور پرٹان ہیں جب کہ الیکٹران اس کے گرد مخصوص دائروں میں موجود ہیں۔

ہوسکتا ہے تحقیقات اور دریافت کے طویل سلسلے کے بعد سائنس مزید تحقیقات کے بعد Refine ہو کر مذہب کے اور قریب آجائے لیکن فی الحال مابعد الطبعیات سائنس کا میدان نہیں ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ سائنس اور مذہب کے تعلق پر نوٹ لکھیں۔

2۔ (الف) میکس مُلر کی تحقیقات کا جائزہ پیش کریں۔

3۔ میری کیتھلین کننگھم کی سائنس اور مذہب کے بارے میں آرا پیش کریں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ چیزوں کی قدر و قیمت کا قدیم طریقہ کیا تھا؟

2۔ سائنسی تحقیق کے چار اہم اقدامات کیا ہیں؟

3۔ مذہب کا ماورائی تصور کیا ہے؟

4۔ مذہب میں حصول علم کا سب سے اہم ذریعہ کیا ہے؟

5۔ سائنس دان الیور کا سائنس کے بارے میں کیا قول ہے؟

6۔ آثار کے اسباب معلوم نہ ہوں تو حقائق کس ذریعے سے معلوم کرتے ہیں؟

(ج) درج ذیل سوالوں کے درست جواب پر نشان (✓) لگائیے۔

1۔ انسانی شعور کی ترقی کے بعد.......................کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔

(الف) مشاہدے (ب) تجربات (ج) فلسفے (د) تصوف

2۔ موجودہ سائنسی طریق کار.......................صدی میں پیدا ہوا۔

(الف) اٹھارھویں (ب) انیسویں (ج) بیسویں (د) اکیسویں

3۔ مذہبی علوم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

(الف) عقل انسانی (ب) مشاہدات (ج) وحی (د) وجدان

4۔ مذہب کا بڑا مقصد ہے؟

(الف) سکون (ب) آسودگی (ج) نجات (د) مشاہدۂ ذات حق

5۔ مذہب میں اعداد و شمار ہیں۔

(الف) مذہبی تجربات (ب) کہانیاں اور رسوم (ج) تصورات (د) کچھ بھی نہیں

(د) صحیح اور غلط کی نشان دہی کریں۔

1۔ سائنس کے اندر دریافت کی روح کو مذہب ایک حد تک دریافت کر سکتا ہے۔

2۔ میکس ملر سائنس کے ذریعے مذہبی حقائق کی دریافت کا قائل ہے۔

3۔ مذہبی حقائق کا تعلق نجات اور ہدایت سے ہوتا ہے۔

4۔ مذہبی اعتقادات کی تصدیق سائنسی تجربات سے ممکن ہے۔

5۔ سائنس قوانین فطرت کو آشکارا کر کے مذہب کی تصدیق کر رہی ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ ایسے عقائد کی فہرست تیار کریں جن کی تصدیق سائنس سے ممکن نہیں۔

2۔ دو گروہ بنا کر ایک مباحثہ کریں کہ سائنس اور مذہب میں ٹکراؤ نہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو اُن مذہبی حقائق سے آگاہ کریں جن کی سائنس تصدیق کر رہی ہے۔

باب 2
پاکستان میں مختلف مذاہب

اسلامی جمہوریہ پاکستان مسلم اکثریت کی ریاست ہے۔ جس میں دیگر مذاہب کے پیرو غیر مسلم بھی آباد ہیں۔ پاکستان میں مسیحی، ہندو، بدھ، جین، پارسی، بہائی، کالاش اور دیگر مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں۔ ان مذاہب کے پاکستانی شہری نہ صرف باہم مل جُل کر امن وسکون سے رہتے ہیں بلکہ ان کے مسلمانوں سے تعلقات بھی مثالی ہیں۔ پاکستان کے سب شہری اس کے استحکام اور ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

اسلام

لغوی معانی کے لحاظ سے اسلام، اطاعت اور تسلیم ورضا کا دوسرا نام ہے۔ اسے دنیا کے بڑے مذاہب میں خاص مقام حاصل ہے۔ دنیا میں تقریباً ایک ارب ستاون کروڑ انسان مسلمان ہیں اور یہ دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ اس کا نہ صرف اپنا اخلاقی نظام ہے، بلکہ یہ پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا ہے اور ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

اسلام کی تاریخ قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ قدیم اس لیے کہ اسلام ہی تمام پیغمبروں کا مذہب رہا۔ جو بھی نبی یا رسول اس کائنات میں آیا، اس نے اسی سلامتی کے مذہب کی تبلیغ کی۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوا۔ یہ مذہب اس حوالے سے جدید ہے کہ اسلام کی تاریخ کو خدا کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے شروع کیا جاتا ہے۔ 570ء میں جب حضرت محمد ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی، تو گویا وہیں سے اسلام کی ابتدا ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں ایمان لانے والوں کا جینا دوبھر کر دیا گیا، تو پہلے وہ حبشہ ہجرت کر گئے، اور بعد میں انھوں نے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کی۔ جب خود نبی ﷺ نے مدینہ منوّرہ کو مرکز بنا لیا، اور اسلامی ریاست قائم ہوگئی، تو مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اب بھی انھیں کئی ایک مشکلات کا سامنا رہا۔ مکہ والوں کے خلاف انھیں کئی جنگیں لڑنا پڑیں۔ منافقین اور یہودی قبائل کی طرف سے مسائل کھڑے کیے گئے، لیکن لوگ بڑی تیزی سے اسلام قبول کرتے گئے۔ یہ تاریخ کا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ 23 سال کے مختصر عرصے میں ایک اسلامی ریاست نہ صرف قائم ہوئی، بلکہ اس کی حدود میں بڑی وسعت بھی آئی اور پورا جزیرہ نما عرب مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا، اور سارا نظامِ زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق چلنے لگا۔

خلفائے راشدین کے دور میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ خلفائے راشدین کے بعد بنو امیہ کے دورِ حکومت میں بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دور کی بڑی طاقتیں ایران اور روم، مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئیں۔ اب اسلامی سلطنت کی سرحدیں ایشیا، افریقہ اور یورپ میں دور دور تک پھیل گئیں۔ مسلمانوں نے علم وادب اور مختلف علوم وفنون میں تحقیقی کارنامے سرانجام دیے۔ خاص طور پر سپین پوری دنیا کے

لیے علمی مرکز بنا رہا۔ بعد میں مسلمان زوال کا شکار ہوئے۔ اس وقت دنیا بھر میں ستاون ممالک میں مسلمان حکومت کرتے ہیں اور اسلام عیسائیت کے بعد اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔

اسلام جس تیزی سے پھیلا' وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں اس کی سادگی اور سماجی زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر کو بڑا دخل ہے۔ اسلام صرف عبادات کا حکم دینے پر اکتفا نہیں کرتا' بلکہ وہ پوری زندگی کا لائحہ عمل دیتا ہے۔ وہ دین اور دنیا میں تفریق نہیں کرتا' بلکہ دنیا داری کو دین کے ضابطوں کے تحت گزارنے پر زور دیتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی مآخذ محفوظ ہیں۔ اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید کا ایک لفظ نہیں بدلا گیا' اور وہ اپنی اصلی نازل شدہ زبان میں محفوظ ہے۔ اسی طرح اپنے رسولؐ کی ایک ایک بات کو مسلمانوں نے تحقیق کے اعلیٰ معیار پر پرکھ کر محفوظ کیا۔ احادیث رسولؐ کی جانچ پھٹک اس اعلیٰ درجے پر کی گئی کہ اسے پوری دنیا میں تسلیم کیا گیا۔

جہاں تک اسلامی عقائد کی بات ہے، تو اسلام میں چند بنیادی عقائد ایسے ہیں' جن کو مانے بغیر دائرہ اسلام میں داخلہ مکمل نہیں ہوتا۔ یہ اسلامی عقائد ایک حدیث، (حدیث جبریل) میں بڑے خوب صورت انداز میں پیش کیے گئے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلسِ مبارک میں صحابہ کا ایک مجمع تھا اور حضرت محمد ﷺ اُن سے خطاب فرما رہے تھے) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا' جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے۔ اور اُس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی، کہ ہم میں سے کوئی اس نو وارد کو پہچانتا نہ تھا [جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے' تو یہ شخص حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا] یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے آ کر دو زانو ہو کر اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیے اور اپنے ہاتھ حضور ﷺ کی رانوں پر رکھ دیے' اور کہا اے محمد ﷺ! مجھے بتلائیے کہ "اسلام" کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اسلام" یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل و زبان سے) تم یہ شہادت دو کہ "اللہ" کے سوا کوئی "الہٰ" (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق) نہیں، اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، ماہِ رمضان کے روزے رکھو اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو اس نو وارد سائل نے آپ کا یہ جواب سُن کر کہا، آپ ﷺ نے سچ کہا راویٔ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر تعجب ہوا، کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے' اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے بتلائیے کہ "ایمان" کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یومِ آخرت یعنی روز قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو (یہ سن کر بھی) اس نے کہا، آپ نے سچ کہا اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا، مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو' مگر وہ تو تمہیں دیکھتا ہی ہو، پھر اُس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلائیے [کہ وہ کب واقع ہوگی؟] آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے' وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی

بتلایئے؟ آپ نے فرمایا اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی' اور (دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے' اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں' وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے' اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے ـــــ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نو وارد شخص چلا گیا، کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا، "اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ تمھاری اس مجلس میں اس لیے آئے تھے، کہ تم لوگوں کو تمھارا دین سکھا دیں' ' (صحیح بخاری)۔

اسلامی تعلیمات میں زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔ اسلام میں عبادات اور معاملات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہاں عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی میں ایک ایک قدم محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اٹھایا جائے۔ اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا عبادت ہے۔ اگر خدا کی ہدایات کے مطابق عمل ہو رہا ہے' تو پھر کاشتکاری بھی عبادت ہے، تدریس بھی اور تمام امورِ دیگر بھی۔ اسلام جن عبادات کو فرض قرار دیتا ہے ان میں روزانہ پانچ وقت نماز قائم کرنا، رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھنا، صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کرنا اور اسی طرح استطاعت ہو تو زندگی میں ایک دفعہ حج ادا کرنا۔ یہ تمام عبادات جہاں فرد میں تقویٰ پیدا کرتی ہیں، وہاں دولت جمع کرنے کو روکتی ہیں' اور ایک عمدہ رفاہی معاشرے کے قیام میں مدد دیتی ہیں۔

افراد کے باہمی معاملات میں اسلام کے احکام موجود ہیں۔ مالی معاملات میں اسلام یہاں ایک طرف زکوٰۃ اور عشر (یعنی زرعی پیدا وار کا دسواں حصہ) اللہ کی راہ میں غریبوں میں تقسیم کرنا، عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا گوشت تقسیم کرنا اور عیدالفطر کے موقع پر صدقہ فطر لازم قرار دیتا ہے، وہاں دوسری طرف وہ صدقات وخیرات دینے پر بھی زور دیتا ہے، سود سے منع کرتا ہے' اور ناجائز کمائی کے ہر ذریعے پر پابندی لگاتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ کیا جائے' تو غربت کا خاتمہ ہوتا ہے' اور اجتماعی زندگی خوش حال اور بڑی خوش گوار ہو جاتی ہے۔ اسلام ہمسائے کے حقوق پر اس قدر زور دیتا ہے' کہ جیسے وہ خونی رشتے میں بندھے ہوں۔

اسلام زندگی گزارنے کی جامع ہدایات دے کر رہنمائی کرتا ہے' اور ان میں اس قدر وسعت ہے کہ ان کا مختصر ذکر بھی بہت طویل ہے۔ سلیقہ وتہذیب کے لیے اسلام میں صحت کے آداب، لباس کے آداب اور سفر کے آداب مقرر ہیں اور حسنِ بندگی کے لیے مسجد میں داخلے سے لے کر قبرستان میں جانے کے سلیقے اور طریقے بتائے گئے ہیں۔ معاشرت کی بہتری کے لیے دائرہ کار مقرر ہے۔ والدین کے حقوق مقرر ہیں' ازدواجی زندگی میں میاں بیوی کے حقوق وفرائض کے دائرے مقرر ہیں حتیٰ کہ گفتگو، خط وکتابت اور مہمان نوازی کے آداب بھی بتائے گئے ہیں اور دوسروں کے حقوق کا ایسا جامع لائحہ عمل دیا ہے، کہ مریض کی عیادت کا حکم ہے اور نمازِ جنازہ کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ دراصل اسلامی تعلیمات میں ایک فرد کی ذات اور ایک معاشرے کے لیے جامع ہدایات موجود ہیں۔ جو کردار سازی کر کے زندگی کو بامقصد بناتی ہیں اور ساری اسلامی اخلاقیات' جہاں احترامِ آدمیت سکھاتی ہیں' وہاں وہ مساوات اور اخوت کے ذریعے عمدہ معاشرے کی تعمیر بھی کرتی ہیں۔

اسلام میں بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پیدائش کے بعد بچے کو گھٹی پلانا مسنون ہے۔ پھر بچے کے کان میں اذان دی

جاتی ہے۔ اس اذان میں اللہ کی کبریائی، اس کے لاشریک ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی شہادت دی جاتی ہے۔ ساتویں دن بچے کے سر سے بال اتروائے جاتے ہیں اور ان بالوں کے ہم وزن چاندی کی قیمت کا صدقہ دیا جاتا ہے' اور بچے کا نام رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا عقیقہ بھی کیا جاتا ہے۔ بچہ ہو تو عقیقہ کے لیے دو بکرے ذبح کیے جاتے ہیں اور بچی ہو تو ایک۔ یہ مالی حالت پر منحصر ہے۔ مالی وسعت نہ ہو تو تنگ دستی میں زیرِ بار ہو کر عقیقہ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ لوگ عموماً ہسپتال یا گھر میں بچے کی پیدائش کے ابتدائی دنوں میں ختنے بھی کرا لیتے ہیں۔ لوگ خوشی کے اظہار کے لیے بہت سی سرگرمیاں کرتے ہیں جنھیں اسلامی تعلیمات کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

اسلام نے جہاں جینے کے سلیقے بتائے، وہاں میت کے حقوق اور اس کی تدفین کے طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں۔ میت کی نماز جنازہ ادا کرنا فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ مسلمان حالتِ نزع میں ہو' تو اس کے پاس بلند آواز میں کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم ہے اور سورۃ یٰسین کی تلاوت کا بھی۔ موت کی خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ میت کے غم میں چیخنے چلانے سے منع کیا گیا ہے البتہ آنسو بہانے سے منع نہیں کیا گیا۔

موت واقع ہونے کے بعد مُردے کا منہ اور آنکھیں بند کر دیتے ہیں اور ٹانگیں اور بازو سیدھے کر دیتے ہیں۔ غیر ضروری کپڑے اتار کر ایک چادر میں لپیٹ دیتے ہیں۔ پاؤں کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دیتے ہیں اور ایک چوڑی پٹی ٹھوڑی کے نیچے سے گزار کر سر کے اوپر باندھ دیتے ہیں۔ مُردے کو جلد دفن کرنے کا حکم ہے۔ اب پانی میں بیری کے پتے ڈال کر ہلکا گرم کر لیتے ہیں اور اس پانی سے مُردے کو غسل دیا جاتا ہے۔ لکڑی کے تختے پر لٹا کر ایک تہہ بند ڈال کر پہلے استنجا' اور پھر اسے وضو کرایا جاتا ہے' اور غسل دینے کے مفصل احکام کے مطابق اُسے غسل دیا جاتا ہے۔ پھر غسل کے بعد سفید کفن پہنا دیا جاتا ہے کفن کے کپڑوں کی تعداد اور لمبائی چوڑائی مقرر ہے۔ اس کے بعد جنازہ اٹھا کر قبرستان لے جاتے ہیں۔ قبرستان تک پیدل جانا مسنون ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ یہ میت کا حق بھی ہے۔ نماز جنازہ کے بعد میت کو قبر میں اتارتے ہیں۔ قبر شمالاً جنوباً بنائی جاتی ہے۔ اور قبر میں اُتار کر میت کا منہ قبلہ رخ کر دیتے ہیں۔ پھر قبر کو بند کر کے سرہانے کی طرف سے مٹی ڈالنا شروع کرتے ہیں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر مٹی کو گیلا کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد قبر پر ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اور میت کے لیے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ میت کا سوگ تین دن تک مناتے ہیں۔ لوگ لواحقین سے تعزیت کرتے اور میت کے لیے، دعا مغفرت کرتے ہیں۔ میت کے لواحقین کو تین دن تک کھانا دیگر عزیز و اقارب فراہم کرتے ہیں۔ جو ان کے ساتھ غم گساری کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے

1- حدیثِ جبریل میں کون سے اسلامی عقائد کا ذکر ملتا ہے؟

2- اسلام میں پیدائش اور موت کی رسوم کا خلاصہ لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1- اسلام کے لغوی معانی کیا ہیں؟

2- اللہ کے آخری نبی ﷺ پر پہلی وحی کب نازل ہوئی؟

3- اسلام کی مقبولیت کی دو وجوہات کون کون سی ہیں؟

4- حدیث جبریل کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

5- میت کو نہلانے کے بعد کیا پہناتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ اسلام نام ہے.......................کا

(ا) سلامتی اور اطاعت (ب) اطاعت اور عبادات (ج) تسلیم ورضا (د) اطاعت اور تسلیم ورضا

2۔ اسلام میں.......................

(ا) دین اور دنیا الگ الگ ہیں (ب) دین اور دنیا ایک ہیں

(ج) دنیاداری دین کے اصولوں کے تحت ہے (د) دین دنیاداری کے تحت ہے

3۔ مسلمانوں کے عروج کے عہد میں.......................بڑا علمی مرکز تھا۔

(ا) ترکی (ب) سپین (ج) بغداد (د) دمشق

4۔ دنیا میں اس وقت.......................مسلمان ملک موجود ہیں۔

(ا)36 (ب)46 (ج)56 (د)66

5۔ اسلام میں.......................میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

(ا) عبادات اور معاملات (ب) شریعت اور تصوف

(ج) عبادات اور اخلاقی اقدار (د) نظریے اور علم

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1- مکہ سے پہلے پہل ہجرت کرنے والے .... چلے گئے۔

2- اسلام میں عبادات اور .... کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

3- اسلامی دنیا میں یورپ میں .... ایک دور میں علم و ادب کا بڑا مرکز رہا ہے۔

4- اسلام زندگی گزارنے کی .... ہدایات دیتا ہے۔

5- اسلام میں میت کو .... دفن کرنے کا حکم ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ اسلام معاملات میں جو ہدایات دیتا ہے ان کی فہرست تیار کریں۔

2۔ بچے کی پیدائش پر مذہبی رسوم کے نکات ترتیب وار لکھ کر دوسروں سے تبادلہ خیال کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ اسلام میں عبادت کے تصور اور معاملات کا ربط قائم کر کے طلبہ کو بتائیں۔

2۔ اسلام اور سماجی زندگی کے موضوع پر ایک نشست کا اہتمام کریں اور طلبہ کو بتائیں کہ اس میں سادگی کا کردار کیا ہے؟

مسیحیت

مسیحیت نے مشرق میں جنم لیا' لیکن اسے مغرب میں عروج حاصل ہوا۔ اور اب یہ دنیا کی ایک بڑی آبادی کا مذہب ہے۔ اس وقت تقریباً دو ارب بیس کروڑ کے قریب افراد کا مذہب مسیحیت ہے۔ اس نے مشرق و مغرب میں انسانی معاشرت، سیاست، ادب، فلسفے اور فنون لطیفہ نیز زندگی کے دیگر متعدد شعبوں کو متاثر کیا۔ اگرچہ اٹھارھویں صدی میں کلیسا اور حکومت کے ٹکراؤ کے بعد مذہب کا عمل دخل فرد کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ تاہم آج دنیا میں سب سے زیادہ انسان اس الہامی مذہب کے پیروکار ہیں۔

الہامی مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے خدائے بزرگ و برتر نے نبی اور رسول بھیجے۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو انسانوں کی اصلاح کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ یسوع مسیح علیہ السلام نے یہودی گھرانے میں جنم لیا' اور وہ یہودی روایات سے پوری طرح آگاہ تھے۔

آپؑ نے ''خدا کی بادشاہی'' قائم کرنے کے لیے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معجزات بھی عطا کیے۔ یسوع مسیح علیہ السلام مختلف علاقوں میں مسیحی تعلیمات کا پرچار کرتے تو ساتھ ساتھ معذوروں اور بیماروں کو بھی تندرست کرتے۔ ان معجزات اور ان کی غیر معمولی شخصیت نے لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ ان کے وعظ میں خدا کی بادشاہی کے قیام، لوگوں کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ وہ معاشرے کے ٹھکرائے اور دھتکارے ہوئے لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے تھے۔ اس طرح وہ معاشرے میں عجز و انکسار کا نمونہ بن گئے۔

جب یسوع مسیح علیہ السلام روحانی تجربے سے گزرے' اور گلیل کی طرف روانہ ہوئے' تو انہوں نے مختلف اوقات اور مختلف جگہوں سے اپنے شاگرد منتخب کیے جن کے ذریعے مسیحیت قدم بقدم ترقی کرتی رہی۔ ان کے نچلے طبقے سے تعلقات کو یہودیوں کے اعلیٰ طبقے نے نہ صرف بُرا محسوس کیا بلکہ اس پر ناراضی کا اظہار بھی کیا۔ ہیکل میں کیے جانے والے اقدام نے یہودی علماء کو ناراض کیا۔ غریبوں کی حمایت اور حقوق کی پاسداری کرنے کی بناء پر انہوں نے مذہبی اور حکومتی قوتوں کو للکارا، جس کی پاداش میں انھیں گرفتار کیا گیا اور صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ وہ مرنے کے تیسرے روز جی اٹھے اور یُوحنّا کی انجیل کے مطابق اپنے شاگردوں کے سامنے چالیس دن تک مختلف مقامات پر ظاہر ہوتے رہے۔

یسوع مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد' ان کے حواریوں خصوصاً مقدس پولوس نے مسیحیت کی تبلیغ جاری رکھی۔ شہنشاہ نیرو کے عہد (454۔468) میں حواریوں کے سردار مقدس پطرس اور مقدس پولوس نے مسیحیت کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔ انھیں شہید کر دیا گیا، لیکن مسیحیت پھیلتی ہی چلی گئی۔ چنانچہ مرکزی گرجا گھر روم میں قائم ہوا، اور 312ء کے بعد مسیحیت روم کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ رومن کیتھولک کلیسا مسیحی مذہب کا مرکز بن گئی۔ قسطنطنیہ (موجودہ استانبول) نے اختلاف کیا' تو 1054ء میں آرتھوڈکس فرقہ وجود میں آیا۔ اور پھر مارٹن لوتھر نے سولھویں صدی عیسوی میں تحریک چلائی، جس سے پروٹسٹنٹ فرقہ وجود میں آیا۔ سو سال تک باہمی بقا کا یہ تنازعہ چلتا رہا۔ بعدازاں مسیحیت کے سب فرقے اپنی اپنی حدود میں کام کرنے لگے۔

مسیحیت کے عقائد اور تعلیمات کو سمجھنے کے لیے اس مذہبی روایت کا جاننا ضروری ہے جس کا پس منظر یہودیت ہے۔ مسیحت کے پروان چڑھنے میں سکندر اعظم کے جانشینوں اور رومیوں کے عروج کا دور زیادہ اہم ہے۔ یسوع مسیح علیہ السلام کے شاگرد یہودی نسل سے تھے اور انھی کے افکار مسیحیت کے پرچار کا سبب بنے۔

عہد نامہ جدید مسیحیت کا بڑا ماخذ ہے۔ یسوع مسیح علیہ السلام نے مسیحت کی بنیاد خدائے بزرگ و برتر پر ایمان اور قلبی تعلق پر رکھی۔ یہودی عقائد میں خدا ایک آقا اور حاکم ہے، جب کہ یسوع مسیح علیہ السلام نے خدا کو آسمانی باپ کا درجہ دے کر اسے غریبوں اور گنہگاروں کے لیے شفیق اور رحم دل ہستی بنایا۔ اسی لیے یسوع مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں اخلاص، توکل اور ایثار و قربانی جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات زیادہ ہیں۔ وہ انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد بھی محبت پر رکھتے ہیں۔ ان تعلیمات میں مساوات، عفو و درگزر، عیب جوئی سے پرہیز، انکساری، دشمنوں اور ہمسایوں سے محبت زیادہ اہم ہیں اور نیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کا اندازِ بیان تمثیلی ہے۔

عقائد یہ ہیں کہ یسوع مسیح علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا، تین دن بعد وہ زندہ ہو گئے، اگلے چالیس روز تک وہ شاگردوں کو نظر آتے رہے اور آخر کار آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ قیامت کے قریب وہ انسانی رُوپ میں فرشتوں کے جُھرمٹ میں آسمان سے اتریں گے اور حق و باطل کی لڑائی میں باطل کو شکست دیں گے۔ روحُ القدس کو مسیحیت میں خدا کی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش اور انھیں بپتسمہ دیے جانے کے بعد روح القدس کا فاختہ کی شکل میں ان پر نازل ہونا، شیطان کے ذریعے کی جانے والی آزمائشوں سے بچنا اور روح القدس کے ذریعے سے انہیں روحانیت حاصل ہونا اور ان کا دوبارہ جی اٹھنا بھی روح القدس کے ذریعے سے ہی ہوا۔ انسان کی نجات اس میں ہے کہ وہ یسوع مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ تسلیم کرے اور انھیں نجات دہندہ مانے۔

عقیدہ پاک تثلیث کا ذکر عہد نامہ جدید میں موجود ہے۔ مذہبی افہام و تفہیم سے اس عقیدے کے مطابق خدا کی ایک حقیقت تین اکائیوں میں مرکوز ہے کہ خدا تمام تخلیق اور ربوبیت کا سرچشمہ ہے۔ دوسرا خدا کا بیٹا جو یسوع مسیح علیہ السلام کی شکل میں موجود ہے اور تیسرا روح القدس جو مومنوں اور مسیحیوں میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ نیز رہنمائی کا ذریعہ بھی ہے یہ تینوں ایک ہی ہیں یا تینوں میں ایک ہے۔

مسیحیت میں بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہبی رسوم کے مطابق والدین ہی بچے کا نام رکھتے ہیں۔ بعض لوگ پادری صاحب سے پوچھ کر بائبل مقدس سے نام کا انتخاب کرتے ہیں۔ پیدائش کے بعد بچے کو بپتسمہ دیا جاتا ہے۔ کیتھولک فرقہ کے مطابق پیدائش کے ایک ہفتہ کے اندر اندر بچے کو بپتسمہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ دیگر مسیحی فرقوں میں بچے کو بالغ ہونے کے بعد بپتسمہ دیا جاتا ہے۔

جب کوئی نزع کے عالم میں ہو تو عزیز و اقارب روزہ رکھتے ہیں اور خصوصی دعائیں کرتے ہیں۔ مریض کو پاک تیل (استعمال سے پہلے تیل پر خصوصی دعا کر کے برکت دی جاتی ہے) کی مالش بھی کرتے ہیں۔ موت کے بعد سادہ پانی سے غسل دے کر، میت کو کفن پہنا کر سفید چادر میں لپیٹ دیتے ہیں اور لوبان کی دھونی دیتے ہیں۔ پادری صاحب انجیل مقدس سے مقررہ حصے کی تلاوت کرتے ہیں اور نمازِ جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ آج کل میت قبرستان لے جانے کے لیے تابوت کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ تابوت قبر میں اتار کر سیمنٹ سے ڈھانپ کر مٹی ڈال دیتے ہیں۔ اور تدفین کے بعد مرنے والے کے لیے بخشش کی خصوصی دعا کرتے ہیں۔

قبر پر کتبہ لگایا جاتا ہے۔ ہر سال تاریخ وفات پر مرنے والے کی برسی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کیتھولک مسیحیوں کے ہاں 2 نومبر کو مرنے والوں کی اجتماعی برسی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ جس میں گذشتہ سال کے دوران مرنے والے تمام مسیحوں کی بخشش کے لیے خصوصی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ قبرستان کو صاف کیا جاتا ہے۔ مزید برآں مرنے والے کی نجات کے لیے خیرات کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور لواحقین خیرات اور دعا کا سلسلہ آئندہ سالوں میں بھی جاری رکھتے ہیں۔

پاکستان میں مسیحی محدود تعداد میں آباد ہیں۔ انھیں پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ ان کی عبادت گاہیں تمام شہروں میں موجود ہیں۔ جو مسیحی فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ مسیحی شہریوں کو پاکستان کے قانون ساز اداروں میں نمائندگی حاصل ہے اور دستورِ پاکستان مسیحیوں کو برابر کے حقوق عطا کرتا ہے، اور انہیں برابر کے ووٹ کا حق بھی حاصل ہے۔ مسیحی برادری کو مخلوط ووٹ کا حق بھی حاصل ہے۔ پاکستان کی مسیحی برادری زیادہ تر کیتھولک مسلک کی قائل ہے اور ویٹیکن ان کا مرکز رشد و ہدایت ہے۔

چرچ آف انگلینڈ کی طرح یہاں بھی چرچ آف پاکستان قائم ہے۔ جو پروٹسٹنٹ فرقہ کی نمائندہ تنظیم ہے۔ وہ بھی اپنی مذہبی سرگرمیاں پاکستان میں آزادی سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ پاکستان میں موجود مسیحی برادری کی صورتِ حال پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مذہب کون سا ہے؟

2۔ نیرو بادشاہ کے دور میں شاگردوں کا سردار کون تھا؟

3۔ یہودی علماء یسوع مسیح علیہ السلام کی کس بات سے نالاں تھے؟

4۔ مسیحت کے تین بڑے گروہ کون کون سے ہیں؟

5۔ مسیحی فرقہ کیتھولک اجتماعی برسی کب مناتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ اس وقت دنیا میں مسیحیوں کی تعداد .... ہے۔

(ا) سو ارب (ب) دو ارب (ج) تین ارب (د) سوا دو ارب

2۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد شاگردوں نے مسیحیت کی تبلیغ

(ا) ختم کر دی (ب) جاری رکھی (ج) کم کر دی (د) تیز کر دی

3۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب کیے جانے کے.................. بعد زندہ ہو گئے۔

(ا) دو دن (ب) تین دن (ج) چالیس دن (د) دو ماہ

4۔ بچے کی پیدائش پر مسیحی گھرانوں میں

(ا) اہم تقریبات منعقد کی جاتی ہیں (ب) موسیقی کا پروگرام ہوتا ہے

(ج) نام رکھتے اور بپتسمہ دیتے ہیں (د) کوئی خاص رسوم ادا نہیں کی جاتیں

5۔ یسوع مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں.................. پر زور دیا گیا ہے۔

(ا) اخلاص (ب) ایثار (ج) توکل (د) الف، ب، ج

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جوابات کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
چرچ آف پاکستان	عہد نامہ جدید	
مسیح اور روح القدس	سرکاری مذہب	
بڑا ماخذ	قسطنطینہ	
روم	پروٹسٹنٹ	
312ء	ایک ہو گئے	
	نیرو	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ دنیا کا نقشہ دیکھ کر ان ممالک کی فہرست تیار کریں جن میں مسیحی برادری اکثریت میں ہے۔

2۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے اہم نکات نوٹ کر کے ایک چارٹ بنائیں اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ خدمتِ خلق کے حوالے سے مسیحیوں کی خدمات طلبہ کو ذہن نشین کرائیں۔ مسیحی تعلیمات کے اخلاقی پہلو طلبہ پر واضح کریں۔

ہندو دھرم

ہندوستان قدیم انسانی تہذیب کا مرکز رہا ہے۔آریاؤں کی آمد سے پہلے یہاں دراوڑی آباد تھے،جن کی اپنی ثقافت کی مذہبی روایت واضح اور مہذب تھیں۔تاہم مذہبی روایت کا آغاز آریاؤں کی آمد سے کیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں میں ہے ۔اس لیے مذاہب کی تاریخ میں اس کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہے۔

ویدک دھرم اوراس کے بعد کی مذہبی روایت کو ہندو دھرم کہتے ہیں۔ جب ویدک دور میں لوگوں کا مذہبی رجحان بدھ مت کی طرف ہوا ، تو ویدوالوں کے لیے ضروری ہوگیا، کہ اس کی ازسرِ نو تنظیم کریں۔ چنانچہ ویدک دھرم میں بنیادی تبدیلیوں کے بعد اسے ہندو دھرم کا نام دیا گیا ، اور سماجی نظام کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا۔اب ہندو دھرم کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا۔ جس میں مذہبی اور سماجی دونوں نظام شامل تھے۔

ویدک دور میں برہمن کی مذہبی اجارہ داری قائم تھی، اور وہ اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے، چنانچہ انھوں نے سری رامائن اور سری مہابھارت جیسی ضخیم کتب ایجاد کیں، جن میں دیوتاؤں کے کارنامے رزمیہ نظموں کی شکل میں پیش کیے گئے ، کیونکہ یہ دراصل ہندوسماج اور آریہ سماج کی آمیزش سے ہندو دھرم کے پروان چڑھنے کی ابتدائی کہانی ہے۔ یہ کتب ہندو دھرم میں بہت اہم ہیں۔سری مہابھارت میں سری بھگوت گیتا شامل ہے، جو ہندو دھرم کی مقدس کتاب ہے، اور اسے ویدوں جیسی اہمیت حاصل ہے۔

سری مہابھارت اور سری رامائن میں برہما جی مہاراج ، وشنو جی مہاراج ،شیو اور سری دیوی ماں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پہلے ویدک دور میں تمام دیوی دیوتاؤں کو خاصی اہمیت حاصل تھی ،لیکن بعد کے دور میں لوگوں نے مختلف دیوتاؤں کو اپنے لیے مخصوص کر کے اپنی اپنی عقیدتوں کا مرکز بنالیا۔اب ان دیوتاؤں کی تجسیم کی جانے لگی۔ 400 قبل مسیح سے 1200 عیسوی تک جو رجحانات پیدا ہوئے ، ہندو دھرم آج انھی عقائد رجحانات اور رسموں پر مشتمل ہے۔ پہلے جہاں قربانی پرزور تھا، اب وہاں پوجا پر زور زیادہ ہوگیا ہے، اور افراد کا تعلق دیوتاؤں سے براہِ راست جُڑ گیا۔

ہندو دھرم کی معلوم تاریخ میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے، کہ اس میں لچک بھی ہے اور قوتِ جاذبہ بھی۔اس میں مختلف رسموں اور روایات کو اپنے اندر سمو لینے کی قوت موجود ہے یہی وجہ ہے کہ جو حملہ آور فاتحین ہندوستان آئے، ان کی رسوم ہندو دھرم نے اپنالیں۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ کوئی فرد یا فرقہ جس دیوتا کو اپنائے ، وہ دوسرے دیوتاؤں کی مذہبی حیثیت سے انکارنہیں کرتا، بلکہ ان کا بھی ادب واحترام کرتا ہے۔ کیونکہ سری کرشن جی مہاراج کا بھگوت گیتا میں قول ہے، کہ جو کوئی جس کی بھی پوجا کرتے ہیں، وہ درحقیقت میری ہی پوجا ہے۔

ہندو دھرم میں سری برہما جی مہاراج ، سری وشنو جی مہاراج ، سری شیو جی مہاراج ، سری دیوی ماں ، سری بھگوت گیتا ، سری گنیش جی مہاراج ، سری لکشمی دیوی ، سری رام چندر جی مہاراج ، سری کرشن جی مہاراج ، سری پاربتی دیوی اور سری سیتا ماتا کی پوجا کی جاتی ہے۔

شمالی ہند میں سری وشنو بھگوان کی پوجا زیادہ اہم ہے۔اس کے چار ہاتھ دکھائے گئے ہیں، اور سری لکشمی دیوی کو اس کی بیوی بتایا گیا ہے۔ یہ زرخیزی اور دولت کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔ سری وشنو بھگوان کو خدائے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔ ہندو دھرم والے سری گوتم بدھ کو بھی اسی دیوتا

کے زیرِ اثر سمجھتے ہیں۔ سری نرسنگھ جی مہاراج، سری رام چندر جی مہاراج، سری کرشن مہاراج، سری شیو جی مہاراج، سری پاربتی دیوی اور دیگر سب اُس کے اوتار سمجھے جاتے ہیں۔ سری رام چندر جی مہاراج ساتویں اوتار ہیں۔ سری رام چندر جی کی بیوی سیتا کو سری لنکا کا راجا راون لے گیا' تو رام چندر جی مہاراج نے اسے شکست دے کر اپنی بیوی کو چھڑا لیا۔ اس کی یاد میں ہندو دسہرہ کا تہوار مناتے ہیں۔ اس کے بیس دن بعد دیوالی کا تہوار منایا جاتا ہے۔ ماتا سیتا اور سری رام چندر جی مہاراج کے اجودھیا پہنچنے کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ سری رام چندر جی مہاراج اور ماتا سیتا کے کردار کے اثرات نے ہندو دھرم میں اخلاقیات کو پروان چڑھایا۔

سری کرشن جی مہاراج، سری وشنو بھگوان کا آٹھواں اوتار ہے۔ اس کو نصف خدا کا درجہ حاصل ہے۔ اور قدیم زمانے سے اُن کی پرستش کی جاتی رہی ہے۔ سری بھگوت گیتا میں سری کرشن جی مہاراج کی تعلیمات کا ذکر ملتا ہے۔ اور ارجن کے ساتھ سری کرشن جی مہاراج کے مکالموں میں ہندو مذہب کا فلسفہ اور اخلاقی اصول بتائے گئے ہیں۔ اسی میں بھگتی یعنی خدا کی محبت میں خود کو فراموش کرنے کا نظریہ بھی شامل ہے۔

جنوبی ہند میں سری شیو بھگوان کی پوجا زیادہ ہوتی ہے۔ اسے تباہ کن صلاحیتوں کا مالک مگر نیک سمجھا جاتا ہے۔ اس کی پسندیدہ سواری نندی نامی بیل ہے۔ اس کے ماننے والے نندی بیل کو بھی مقدس سمجھتے ہیں اور اس کی مورتی مندروں میں رکھی جاتی ہے۔ سری شیو جی بھگوان کی بیوی سری پاربتی دیوی کو بھی ماں کا درجہ حاصل ہے۔ ہندو عقائد میں سری شیو بھگوان کا بیٹا سری گنیش جی مہاراج دیوتاؤں کی فوج کا سردار ہے مختصر یہ کہ ہندو عقائد میں سری برہما جی مہاراج، سری وشنو جی مہاراج اور سری شیو جی مہاراج بھگوان کے بڑے مظاہر ہیں۔

ہندو دھرم کے ماننے والے عقیدہ تناسخ کے قائل ہیں' جس کے مطابق موت سے صرف جسم مرتا ہے اور روح جُون بدل کر کسی نئے قالب میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگر اعمال بُرے ہوں' تو حیوان کے روپ میں اور اگر اعمال اچھے ہوں' تو بہتر انسان کے روپ میں آ جاتی ہے۔ جب تک انسانی خواہشات ختم نہیں ہو جاتیں اور تمام گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہو جاتا' یہ چکر چلتا رہتا ہے۔ اور آخر کار روح عالمِ ارواح میں چلی جاتی ہے اور وہ تناسخ سے آزاد ہو جاتی ہے۔

ہندو دھرم میں آخرت کا واضح تصور موجود نہیں ہے اور نہ آخرت میں اچھے بُرے اعمال کی جزا و سزا کا نظام موجود ہے۔ ہندو دھرم کے مطابق اس دنیا میں اگلا جنم ہی اچھے یا بُرے اعمال کی جزا و سزا ہے۔ اور اگلے پچھلے نیز موجودہ جنم میں بھی جزا و سزا کا عمل جاری رہتا ہے۔

ہندو دھرم میں عقائد کی رنگا رنگی ہے' اور کئی ایک مذہبی فلسفے ہیں۔ اس لیے عبادت کے تصورات بھی مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر فلسفہ یوگ میں جسمانی ریاضتوں پر زور دیتے ہیں۔ جب کہ فلسفہ ویدانت میں مراقبے اور غور و فکر کے ذریعے عرفان حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

عبادت کا مقصد ہی عبادت کا محرک ہوتا ہے۔ ہندو دھرم میں دنیا کو اگلے جنم کا تسلسل سمجھا جاتا ہے' اور عبادت اس کی زرخیزی کا ذریعہ ہے۔ عبادت کا دوسرا مقصد دنیاوی ضرورتوں کا پورا ہونا ہے۔ اس لیے عبادت اس کے طلب کا ذریعہ بھی ہے۔

مندر، ہندو دھرم کی عبادت گاہ ہے۔ اسے خدا کا گھر بھی کہتے ہیں۔ اس کے اندر مورتیاں اور بت رکھے جاتے ہیں۔ مندر مقامی ضرورت کے مطابق بنائے جاتے ہیں۔ رقص و سرود، تالی پیٹنا اور گانا بجانا بھی عبادت کا حصہ ہیں۔ اس لیے مندروں میں ان کی گنجائش رکھی جاتی ہے' اور سٹیج بھی بنائے جاتے ہیں۔

خواتین گھروں میں عبادت کرتی ہیں۔ بڑے گھروں میں الگ سے عبادت کا کمرہ ہوتا ہے' جب کہ چھوٹے گھروں میں کسی کمرے کا کچھ حصہ عبادت کے لیے مخصوص کر لیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں صبح سویرے اُٹھ کر اشنان کرنا عبادت کا حصہ ہے۔ پھر مندر یا گھر میں بیٹھ کر پوجا کی جاتی ہے۔ مورتیوں کی سیوا، چراغ جلانا، مورتیوں کو غسل دینا، مقدس نشان لگانا، گھنٹیاں بجانا، کافور جلانا مورتیوں اور بتوں کو پھولوں اور زیورات سے آراستہ کرنا بھی پوجا میں شامل ہوتا ہے۔

بھجن اور گیت گانا نیز مورتیوں کے گرد چکر لگانا بھی عبادت کا حصہ ہیں۔ کچھ رسومات صرف مذہبی رہنما یعنی برہمن ادا کرتے ہیں۔ دعا مانگنا، جانوروں، گھی اور غلے کی قربانی اور نذرانے دینا بھی عبادت کا حصہ ہیں۔ صندل اور چاول خاص طور پر مورتیوں کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ہندو دھرم میں بچے کی پیدائش پر کئی قسم کی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ چھٹے دن نام رکھا جاتا ہے اور دان دھرم (خیرات) کیا جاتا ہے۔

ہندو دھرم میں موت کی رسومات میں جزئیات کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آگ کے گرد چکر بائیں سے دائیں لگایا جائے۔ چکر شروع کرنے سے پہلے دایاں گھٹنا جھکانا ہے۔ یہ رسومات دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔ زندہ لواحقین کے لیے ضروری ہے، کہ وہ مُردے کے سفرِ آخرت کا انتظام کریں۔

مرنے کے بعد مُردے کے بال اور ناخن کاٹ کر زمین میں دفن کر دیے جاتے ہیں۔ برہمن سوتلی سے ارتھی تیار کرتا ہے اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مُردے کا بیٹا یا قریبی عزیز سر اور مونچھیں صاف کرا کر مٹی کے کورے برتن میں پانی لے کر اشنان کرتا ہے' اور کورے برتن کی ایک گڑوی سے مردے کو غسل دیتا ہے۔ مُردے کے کپڑے گھر والوں یا شاگردوں کو دے دیتے ہیں' یا ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیٹوں میں بانٹ دیے جاتے ہیں۔ اب مُردے کو ایک پیراہن (کفن) پہنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد مردے کے ہاتھ پاؤں کے انگوٹھے باندھ دیے جاتے ہیں۔

ارتھی اٹھائی جاتی ہے' تو ایک آدمی آگے آگے دیسی گھی سے جلائی ہوئی آگ لے کر چلتا ہے۔ اس کے پیچھے مردے کو جلانے کا سامان اور اس کے پیچھے ارتھی ہوتی ہے۔ ارتھی کے مرگھٹ (قبرستان) تک پہنچنے تک کئی اور رسوم بھی ادا کی جاتی ہیں۔ مرگھٹ میں چتا جلائی جاتی ہے اور مردے کی لاش کو جلانے سے پہلے اس کے منہ میں گنگا جل ڈالا جاتا ہے۔ چتا کے چاروں طرف چکر لگا کر گھڑے سے پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ تیسرے چکر کے بعد گھڑا پھینک دیا جاتا ہے' اور مردے کا بیٹا یا قریبی عزیز چتا کو آگ دکھاتا ہے۔

مرنے والے کا دس بارہ دن تک سوگ منایا جاتا ہے۔ جب سوگ ختم ہو' تو سب رشتے دار بال کٹواتے ہیں۔ بارہ گھڑے پانی سے بھر کر ان پر سفید کپڑے اور مٹھائی رکھ کر برہمن کے گھر پہنچاتے ہیں' اور کچھ رقم بھی برہمن کو دیتے ہیں۔ یہ مردے کے لیے ایک سال کا سفری سامان تصور کیا جاتا ہے۔ بارھویں روز رشتے دار اور برہمن آخری بار مرنے والے کے گھر آتے ہیں۔ اس طرح موت کے بعد کی رسومات ختم ہو جاتی ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1- ہندو دھرم کی تاریخ مختصراً لکھیے۔

2- ہندو دھرم کے عقائد اور تعلیمات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

3- ہندو دھرم میں موت کی رسوم کا حال لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1- ہندو دھرم کے ویدک دور میں کس کی اجارہ داری تھی؟

2- سری مہابھارت اور سری رامائن میں ہندومت کے بارے میں کس دور کے بارے میں بتایا گیا ہے؟

3- ہندو دھرم میں کن دیوتاؤں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے؟

4- ہندو دھرم کی کامیابی میں کن دو اہم باتوں کا دخل ہے؟

5- سری کرشن جی مہاراج، سری وشنو بھگوان کا کون سا اوتار ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ویدک دور میں لوگوں کا رجحان بدھ دھرم کی طرف ہوا تو انھوں نے

(ا) تبلیغ کا سلسلہ تیز کر دیا (ب) بدھ مت کے خلاف مہم شروع کی

(ج) اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہ کیا (د) تنظیم نو کو ضروری سمجھا

2۔ ہندو دھرم کی کامیابی کی بڑی وجہ اس........................ ہے۔

(ا) قوتِ جاذبہ (ب) لچک (ج) سماجی روایات کی قبولیت (د) الف، ب، ج

3۔ سری مہابھارت اور سری رامائن میں........................ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(ا) سری برہما جی مہاراج (ب) سری وشنو جی اور سری لکشمی دیوی

(ج) سری شیو بھگوان (د) الف، ب، ج

4۔ ہندو دھرم میں مُردے کے ناخن اتار کر........................ ہیں۔

(ا) سنبھال کر رکھتے (ب) پانی میں بہاتے (ج) جلاتے (د) دفن کرتے

5۔ ہندو دھرم میں آخرت کا تصور نہیں ہے اس لیے کہ وہ

(ا) اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے (ب) عقیدہ تناسخ کے بعد اس کی گنجائش نہیں رہتی

(ج) عبادت اور قربانی سے نجات حاصل کر لیتے ہیں (د) اگلے جنم میں جزا سزا بھگت لیتے ہیں

(د) خالی جگہیں پُر کریں۔

1۔ ویدک دور میں.................کی اجارہ داری قائم تھی۔

2۔ ہندو مذہب میں بڑی.................اور قوتِ جاذبہ ہے۔

3۔ ہندو دھرم میں دنیا کو.................تصور کیا جاتا ہے۔

4۔ رقص، تالی پیٹنا اور گانا بجانا ہندو دھرم میں.................کا حصہ ہیں۔

5۔ ہندو دھرم میں مرنے والے کا.................دن سوگ منایا جاتا ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ لائبریری میں جا کر ہندو دھرم کی تاریخ کے متعلق کتابیں پڑھیں اور کم از کم پانچ طلبہ مطالعے کے بعد جماعت کے دیگر طلبہ کو حاصل مطالعہ بتائیں۔

2۔ ایشیا کے نقشے میں ان ملکوں کی نشان دہی کریں جہاں ہندو اکثریت میں ہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو بتائیں کہ آریاؤں کے بعد ہند میں مذہبی طور پر کیا تبدیلیاں آئیں۔

2۔ بھارت میں دیگر مذاہب (بدھ مت، جین مت وغیرہ) کے عروج اور پھر ہندو دھرم میں جذب ہونے کے بارے میں طلبہ کو معلومات دیں۔

زرتُشتیت

اس مذہب کے بانی زرتشت چھٹی صدی قبل مسیح میں ایران میں پیدا ہوئے۔اس مذہب کی تاریخ میں ان کے بچپن اور جوانی سے متعلق کئی کرامات کا ذکر ملتا ہے۔ انھیں بچپن ہی سے غور وفکر کی عادت تھی' چنانچہ وہ برسوں صحراؤں اور پہاڑوں میں حقیقتِ اعلیٰ کی جستجو کرتے رہے۔ جب ان کی عمر تیس سال ہوئی' تو خدائے واحد سے ان کا مکاشفہ ہوا۔ جس کی وجہ سے انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔

ان دنوں ایران میں بت پرستی عروج پر تھی۔ جب زرتُشت نے بت پرستی کے خلاف اور خدا کی وحدانیت کی تبلیغ شروع کی' تو اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ سرکار نے بھی مخالفت کی۔ دس سال تک مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد وہ مایوس ہوکر آبائی علاقے سے مشرقی ایران چلے گئے۔ یہاں خراسان اور شمالی افغانستان پر مشتمل ریاست کے حکمران نے زرتُشت مذہب قبول کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی امراء بھی زرتُشت مذہب قبول کرنے لگے۔ زرتُشت کا حوصلہ بڑھا اور اگلے 37 سال بلخ کو مرکز بنا کر اس مذہب کی خوب اشاعت کی' اور یہ مذہب خوب پھلا پھولا۔ لاکھوں لوگوں نے اسے قبول کیا۔ ہخامنشی اور ساسانی دورِ حکومت میں یہ سلطنت کا سرکاری مذہب رہا۔ اب زرتُشت مذہب نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی اور آس پاس کے علاقوں میں رائج دیگر مذاہب کو متاثر کرنے لگا۔

زرتُشت کے بعد جلد ہی اس مذہب سے انحراف شروع ہوگیا۔ عربوں کے ایران پر حملے کے بعد اسلام کی اشاعت عام ہوگئی اور وہ جس قدر پھیلتا گیا، زرتُشتیت اسی قدر سمٹتی گئی۔ وہاں حالات بدلے تو کچھ لوگ ایران میں کرمان اور دشوار گزار علاقوں میں جا آباد ہوئے۔ کچھ لوگ ہندوستان میں سورت اور دیگر علاقوں میں چلے گئے۔ اب یہ برصغیر میں پارسی کہلائے۔ آج بھی ممبئی، کراچی، حیدرآباد اور ملتان میں ان کی کچھ تعداد موجود ہے۔

زرتُشتیوں کے عقائد اور تعلیمات کے تاریخی جائزے سے پتہ چلتا ہے، کہ طویل عرصہ تک اس کے عقائد اور تعلیمات میں اضافے ہوتے رہے۔ جدید دور کی تحقیقات میں اُس زمانے کی تحریروں کو پڑھ لیا گیا ہے۔ اس کامیابی کے بعد پارسی علماء نے بھی جدید تحقیق کی طرف توجہ دی ہے۔ اس تحقیق کے بعد ان کی مذہبی کتاب اوستا (Avista) کی گاتھاؤں کے نام سے منسوب تعلیمات کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اب مسخ شدہ حقائق بھی واضح ہوگئے ہیں۔

گاتھاؤں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ زرتُشت کی تعلیمات میں خدائے واحد (اہورامزدا) کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہی حقیقی معبود، خالقِ کائنات اور مخلوق کا پالن ہار ہے۔ وہ ازلی اور ابدی ہے اور پورے اختیارات کا مالک اور علیم وبصیر ہے۔

خیر وشر کی کشمکش اس مذہب میں بڑی اہمیت رکھتی ہے' اور یہ تعلیمات زرتُشتیت کا اہم جزو ہیں۔ وہ خیر کو پسند کرتا ہے اور شر کو ناپسند۔ یہ عقیدۂ ثنویت ہے۔ اس کے مطابق دو خدا ہیں ایک خیر کا' جسے اہورامزدا (Ahura Mazda) (یزداں) اور دوسرا شر یعنی بدی کا خدا ہے جسے اینگرومینو (Angra Mainyu) (اھرمن) کہتے ہیں اور وہ حق سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔ زرتُشت نے سات متبرک شخصیات کا بھی ذکر کیا

ہے جو اہورا مزدا اور کائنات میں واسطے کا کام کرتی ہیں۔

زرتشت مذہب کے مطابق انسان ارادے میں آزاد ہے۔ وہ خیر کے ساتھ رہے یا شر کے ساتھ، اُسے آزادی حاصل ہے۔ زرتشت کے مطابق یہ دنیا دارالعمل ہے اور یہاں کے اعمال کا جواب مرنے کے بعد دینا ہوگا، اچھے اعمال کا اجر جنت اور برے اعمال کی سزا دوزخ ہوگی۔

زرتشتیوں کے ہاں اینگرومینو شیطانی قوتوں کا علمبردار ہے۔ اس کی دو قوتیں زیادہ باا‌ثر ہیں ایک غصّے کا دیوتا اور دوسرا حسین خواتین کی شکل میں ہے جو پیرنکا کے نام سے موسوم ہے۔ اہورامزدا اوپر اور اینگرومینو نیچے پاتال میں رہتے ہیں، دونوں کا دائرہ کار متعیّن ہے۔

زرتشت نے ایک مقررہ وقت پر قیامت کے آنے کا تصور بھی دیا ہے۔ اس کے مطابق قیامت کے قریب ایک نجات دہندہ آئے گا' جس کی سرکردگی میں خیر کو شر پر فتح حاصل ہوگی' اور دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بعدازاں حشر کا میدان لگے گا' اور تمام مُردے زندہ کر دیے جائیں گے اور جنت و دوزخ کے فیصلے ہوں گے۔ زرتشت کے مطابق بُرے اعمال کی سزا دوزخ ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں۔ بُرے اعمال کی سزا پوری کر کے انسان جنت میں جائیں گے۔

زرتشت عقیدے کے مطابق انسان چاروں طرف سے اندھیروں میں گھرا ہوا ہے، لہٰذا اینگرومینو سے بچنے کے لیے اہورا مزدا کی عبادت ضروری ہے۔ زرتشتیت میں عبادت سادہ ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ وہ آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ عبادت گاہ یعنی آتش کدے میں آگ روشن کرتے ہیں اور اس کے سامنے مقدس منتر پڑھتے رہتے ہیں اور بھجن گاتے رہتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق اس سے خبیث روحوں کا زور جاتا رہتا ہے۔

وہ آگ، پانی اور ہوا وغیرہ کو یزدانی قوت کا مظہر تصور کرتے ہیں۔ ان میں سے صرف آگ ہی کو پابند کیا جاسکتا ہے، اس لیے وہ آگ کو نورانی وصف کی وجہ سے لائقِ تعظیم جانتے ہیں۔ یہ انسان کو انجام کا احساس دلاتی رہتی ہے یعنی آخرکار ہر ایک انسان کو مٹی یا راکھ بن جانا ہے۔

دراصل آگ کی پرستش قدیم آریا روایت کا حصہ ہے اور اسے زرتشتیت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ایران کے آثارِ قدیمہ میں کئی آتش کدے ملتے ہیں۔ ان میں آگ روشن کرنے کے کئی ایک آداب مقرر ہوتے تھے۔ یہ آگ پانچ وقت روشن کی جاتی تھی۔ تہواروں میں اس کی شان میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

ان کے ہاں پیدائش اور موت کی رسوم موجود ہیں۔ ان کے ہاں بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن کوئی خاص مذہبی رسم ادا نہیں کی جاتی۔ البتہ موت کے بارے میں ان کے عقائد کے مطابق رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ وہ ہوا، مٹی، پانی اور آگ کو متبرک سمجھتے ہیں۔

وہ لاش کو احتیاط سے درختوں کی مچان بنا کر اس پر رکھتے ہیں' یا اس مقصد کے لیے مینار بھی بناتے ہیں اور لاش وہاں رکھ دیتے ہیں جہاں پرندے اُسے کھا لیتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان کا جسم بھوکے پرندوں کی غذا کے لیے کام آسکے۔ سہولیات نہ ہونے کے سبب جہاں مینار نہیں ہوتے، وہاں وہ اپنی لاشوں کو جلانے یا دفن کرنے لگ گئے ہیں۔

مشق

(الف)　مفصل جوابات لکھیں۔

1-　زرتشت کی زندگی اور عقائد کے بارے میں نوٹ لکھیں۔

2-　زرتشتیت کے عروج وزوال کے حالات بیان کریں۔

3-　مختصر نوٹ لکھیں۔

i۔اوستا　　ii۔زرتشتیت میں موت کی رسمیں

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1-　زرتشت کب پیدا ہوئے تھے؟

2-　زرتشت کو صحراؤں اور پہاڑوں میں کیا چیز لے گئی؟

3-　زرتشت کے دور میں ایران میں کس چیز کو عروج حاصل تھا؟

4-　زرتشتیوں کی مذہبی کتاب کا کیا نام تھا؟

5-　زرتشتیت میں مُردے سے کیا سلوک کرتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔　زرتشت کا خدائے واحد سے مکاشفہ..................سال کی عمر میں ہوا۔

(ا)20　(ب)30　(ج)40　(د)50

2۔　زرتشت نے مشرقی ایران میں..................سال تک اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔

(ا)30　(ب)33　(ج)37　(د)40

3۔　پارسیوں کی مذہبی کتاب اوستا میں..................کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

(ا)اہورامزد　(ب)اینگرمینو　(ج)خیر وشر کی کشمکش　(د)سات متبرک شخصیات

4۔　یزدانی قوتوں میں سے آگ کی پرستش اس لیے کی جاتی ہے کہ..................

(ا)ہوا کی روک مشکل ہے　(ب)پانی کا متشکل ہونا ممکن نہیں

(ج)آگ کو پابند کیا جا سکتا ہے　(د)آگ نورانی صفت رکھتی ہے

5۔　زرتشتی..................کو یزدانی قوت کا نمونہ تصور کرتے ہیں کو

(ا)آگ　(ب)پانی اور مٹی　(ج)ہوا　(د)الف،ب،ج

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
آگ کی پرستش	سرکاری مذہب	
اہورامزدا	مچان	
اینگرومینو	شر	
ساسانی دورِ حکومت	قدیم آریا روایت	
لاش	خیر	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ لائبریری یا انٹرنیٹ سے آتشکدے کی تصویریں حاصل کریں۔ اور مختلف تصویروں کا چارٹ تیار کریں۔

2۔ زرتشتیوں کے عقائد کی فہرست تیار کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ تختۂ تحریر پر عہد زرتشت لکھیں۔

2۔ نقشے میں ان علاقوں اور ملکوں کی نشان دہی کریں جہاں کسی زمانے میں زرتشتوں کا زور رہا۔

3۔ زرتشتیت کے عقیدے خیر و شر کی کشمکش کے حوالے سے طلبہ کو بتائیں کہ یہ ہر مذہب اور ہر دور میں انسانوں میں جاری ہے البتہ مختلف مذاہب میں نام مختلف ہیں۔

سکھ مذہب

سکھ مذہب کا آغاز 1469ء میں ہوا۔ اس مذہب کے بانی بابا گُرونانک دیو جی نے اپنے روحانی تجربے اور برسوں کی ریاضت کے بعد اپنی تعلیمات کو سادہ انداز میں پیش کیا۔ ان کے بعد آنے والے سکھ گُروؤں نے اس مذہب کو ایک منظم تحریک کی شکل دی اور آخری گُرو، گُرو گوبند سنگھ جی نے یہ طے کر دیا، کہ ان کے بعد مذہبی کتاب 'گرنتھ صاحب' کو گُرو کا درجہ حاصل رہے گا' اور ہمیشہ اسی سے رہنمائی لی جاتی رہے گی۔ چنانچہ اب یہ گرنتھ صاحب گُرو ہے اور اسے زندہ پاتشاہ کا درجہ حاصل ہے۔

سکھ مذہب کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ بابا گُرونانک دیو جی نے سکھوں کو ایک جماعت کی شکل دینے کی کوشش نہیں کی' البتہ ان کی شخصیت اور تعلیمات کے اثرات سب سے زیادہ مرتب ہوئے۔ وہ نہ صرف سکھ مذہب کے بانی ہیں' بلکہ انھیں ہمیشہ کے لیے اس میں مرکزی اہمیت حاصل رہے گی۔ ان کے بعد دوسرے گُرو، گُرو انگد دیو جی نے نہ صرف کیرتن اور لنگر کو جاری رکھا، بلکہ پنجابی زبان کے گرمکھی رسم الخط کو اختیار کر کے سکھوں کا مذہبی تشخص قائم کیا۔ انھوں نے ادارۂ سنگت قائم کیا جو گُرودوارے کی بنیاد بنی۔ تیسرے گُرو گُرو امرداس صاحب جی نے سکھوں کو ایک الگ جماعت کا تشخص دیا۔ بیساکھی کے موقع پر الگ تہوار کا آغاز کر کے ہندو روایت سے جداگانہ نظام قائم کیا۔ اس طرح سکھ مذہب پھلنے پھولنے لگا۔ ستی کی رسم کی مخالفت کی اور بیواؤں کی شادی پر زور دیا۔ چوتھے گُرو گُرو رام داس صاحب جی نے سکھوں کی شادی بیاہ اور مرنے کی رسومات بھی الگ کر دیں۔ امرت سر شہر کی بنیاد رکھی۔ اس شہر کے قیام سے سکھ مذہب کو پھلنے پھولنے کا مزید موقع ملا۔

پانچویں گُرو، گُرو ارجن دیو جی نے اپنا کلام شامل کرتے ہوئے گُرو گرنتھ صاحب کو مکمل کیا۔ گُرودوارہ دربار صاحب (گولڈن ٹمپل) کو مکمل کیا اور دسونتھ (عُشر) کا نظام رائج کیا جس سے سکھ مذہب کو معاشی استحکام حاصل ہوا۔ راوی اور بیاس کے درمیانی علاقے کے ہندو جاٹوں نے سکھ مذہب اختیار کیا' تو سکھ مذہب کو بڑی تقویت ملی۔ گُرو گوبند سنگھ جی نے سکھ سنگت کو روحانی اور جنگی لحاظ سے مضبوط کیا۔ خاص طور پر خالصہ تنظیم کے ذریعے اسے بڑی قوت میسر آئی۔ انھوں نے کوہ ہمالیہ کے دامن میں بتیس سالہ قیام کے دوران وہاں کے راجاؤں سے جنگیں لڑیں۔ انھوں نے ہر سکھ کے نام کے ساتھ "سنگھ" اور سکھ خاتون کے نام کے ساتھ "کور" کا اضافہ کیا اور پانچ کاف (کڑا، کچھا، کنگھا، کیس اور کرپان) کے ذریعے سکھوں کا خاص تشخص قائم کیا۔ اگرچہ ان سکھ گُروؤں کے عہد میں سکھوں کو سیاسی اقتدار نہ مل سکا' لیکن یہ انھی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ آگے چل کر مہاراجا رنجیت سنگھ جی نے ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ اب سکھ مذہب کے پیروکار ہندوستان کے مشرقی پنجاب اور صوبہ ہریانہ میں اہم اور فیصلہ کن سیاسی قوت ہیں اور برصغیر کے علاوہ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، جرمنی، دبئی اور دیگر ممالک میں بھی آباد ہیں۔

سکھ مذہب کے عقائد میں توحید کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ عقیدۂ توحید نے ہی ہندو دھرم اور سکھ مذہب کے مابین حد فاصل قائم کی۔ سکھ خُدا کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہیں مانتے' اور وہ ذات پات کے بالکل قائل نہیں۔ وہ تمام انسانوں کا احترام ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے عقائد میں دوسرے مذاہب کے مقدس مقامات کا احترام کرنا ضروری ہے۔ وہ انسانی جان کا احترام کرتے ہیں، اسی بنا پر انھوں نے ستی کی رسم کی مخالفت کی۔ سکھ مذہب ایک عوامی مذہب ہے۔ جس میں سادگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔

بانی مذہب بابا گرونانک دیو جی کی تعلیمات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر زور دیا گیا ہے۔ ان کی اجتماعی عبادات میں کیرتن شامل ہے جس میں باہم مل کر موسیقی اور خوش الحانی سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔ خاص طور پر جپ جی صاحب کا پاٹھ کرتے ہیں۔ گرو گرنتھ صاحب کا پاٹھ سنتے ہوئے سامعین عقیدت میں ڈوبے اور مؤدب رہتے ہیں۔ یادِ الٰہی کو سمرن (ورد) کہا جاتا ہے اور یہی عبادت کا مرکز و محور ہے۔ سکھ مذہب میں خدمتِ خلق اور غریب پروری پر بھی زور دیا گیا ہے۔

صبح سویرے اُٹھ کر اشنان کے بعد گرو گرنتھ صاحب سے پانچ بانیوں کا پاٹھ کرتے ہیں۔ اور یک سُو ہو کر یادِ الٰہی میں محو رہتے ہیں۔ اسی طرح کیرتن بھی عبادت ہے۔ اس میں موسیقی کے ساتھ گر بانی پڑھی جاتی ہے۔

ان کی عبادت گاہ کو ''گرودوارہ'' کہتے ہیں بلکہ جہاں بھی گرو گرنتھ صاحب موجود ہو وہ جگہ بے حد متبرک تصور کی جاتی ہے۔ وہ گرو گرنتھ صاحب کو زندہ پاتشاہ تصور کرتے ہیں اس کا پاٹھ گھر میں ہو یا گرودوارہ میں، دونوں جگہیں عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ گرو گرنتھ صاحب جس کمرے میں ہوں اُسے گرمیوں میں ائیر کنڈیشنر لگا کر یا پنکھے کے ذریعے سے ٹھنڈا رکھا جاتا ہے اور سردیوں میں کمرہ گرم رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ وہاں کمبل اور خوب صورت رومالوں کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ سکھ مذہب کے تہوار بھی عبادت کا ذریعہ ہیں۔ لنگر کا اہتمام بھی دراصل عبادت کا حصہ ہے، جس میں مذہب وملت کے امتیاز کے بغیر ہر ایک شخص کو کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔

اس عوامی مذہب میں رسومات کو زیادہ دخل نہیں۔ بچے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ان کے عقائد کے مطابق ہر پیدا ہونے والا بچہ سکھ پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کسی مذہب کو ماننے والے والدین کے گھر پیدا ہو۔ بچے کی پیدائش کے بعد جب گرو گرنتھ صاحب کا پاٹھ ہوتا ہے تو گیانی گرو گرنتھ صاحب کے حکمنامے کے پہلے ایک یا دو حروف سے بچے کا نام رکھ دیتے ہیں۔ سکھ مذہب میں موت اور آخرت پر یقین ہے۔ موت کے بعد سکھ مذہب میں مردے کو اشنان دیتے اور کفن پہناتے ہیں۔ بری سکھ مُنی صاحب کا پاٹھ کیا جاتا ہے۔ ارداس (دعا) کے بعد مردے کو سمرن کرتے ہوئے شمشان گھاٹ لے جایا جاتا ہے اور یہیں پر اس کا ''سنسکار'' کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں کرتن اور کیرتن سھیلہ کا پاٹھ کیا جاتا ہے اور اُردس کے بعد سنگت گرودوارے میں سرا کھنڈ یاتھ ارمب کیا جاتا ہے جو اڑتالیس گھنٹوں تک مسلسل جاری رہتا ہے اور سنگتوں کے لیے لنگر کا بندوبست ہوتا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1- سکھ مذہب کے اہم عقائد پر مفصل نوٹ لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1- سکھ مذہب کے ماننے والے اب کس گرو سے رہنمائی لیتے ہیں؟

2- امرت سر شہر کی بنیاد کس گرو جی نے رکھی؟

3- دسونتھ کا نظام کس گُرو نے جاری کیا؟

4- سکھ عورت کے نام کا لاحقہ لکھیے۔

5- بانیِ سکھ مت کی تعلیمات میں کس بات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے؟

6- سکھ مذہب میں موت کے بعد آخری رسومات کیسے ادا کی جاتی ہیں؟

(ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیں۔

1- سکھ مذہب کا آغاز.................... نے کیا۔

(ا) بابا گُرو نانک دیو جی　　(ب) گُرو ہرگوبند جی

(ج) گُرو گوبند سنگھ جی　　(د) گُرو انگد دیو جی

2- سکھ مذہب نے ہندو رسوم میں سے....................

(ا) ستی کی رسم کی مخالفت کی　　(ب) بیواؤں کی شادی پر زور دیا

(ج) مرنے کی رسوم کو قبول کیا　　(د) کسی ایک کو بھی نہ اپنایا

3- سکھوں کا.................... سے الگ تشخص قائم ہوا۔

(ا) پانچ کاف　　(ب) نام کے لاحقے　　(ج) لگ رسم و رواج　　(د) الف، ب، ج

4- سکھ مذہب اور ہندو دھرم کے مابین.................... نے حدِ فاصل قائم کی۔

(ا) عقیدہ توحید　　(ب) ستی کی مخالفت　　(ج) پانچ کاف　　(د) پیدائش اور مرنے کی رسوم

5- گُرو گرنتھ صاحب کو سکھ مذہب میں.................... کا درجہ حاصل ہے۔

(ا) گیارھویں گُرو کا　　(ب) عبادت کے محور کا　　(ج) زندہ پاتشاہ کا　　(د) الف، ب، ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1- سکھ مذہب کے دوسرے گُرو کا نام.................... ہے۔

2- سکھ مذہب کے عقائد میں.................... کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

3- یادِ الٰہی کو.................... کہا جاتا ہے۔

4- سکھ گُرو گرنتھ صاحب جی کو.................... سمجھتے ہیں۔

5- کیرتن بھی.................... کا ایک حصہ ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ سکھ مذہب کی اہم عبادت گاہوں کی تصاویر کا البم بنائیں۔

2۔ سکھ گُروؤں کے نام لکھ کر کمرۂ جماعت میں نمایاں جگہ پر لگائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ممکن ہو تو کسی سکھ سے طلبہ کو سکھ مت کے بارے میں انٹرویو کرائیں۔

2۔ سکھ مذہب نے اپنے پیروکاروں پر جو اثرات مرتب کیے ہیں۔اس سے سکھوں میں جو خوبیاں پیدا ہوئی ہیں ان سے طلبہ کو آگاہ کریں۔

باب
3

اخلاقی اقدار

اجتماعی عدل اور مساوات

(معاشرے اور ان کے اداروں کے محافظ)

اخلاق انسانیت کا وہ جوہرِ خاص ہے، جس کے بغیر نہ کوئی فرد اچھا انسان بن سکتا ہے، اور نہ مثبت بنیادوں پر کوئی معاشرہ پروان چڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدائے برتر کے برگزیدہ بندوں نے بنی نوع انسان کو سنوارنے کا بیڑا اُٹھایا، تو اُسی کی ہدایات کے مطابق، افراد سے مخاطب ہو کر انہیں اخلاقی تعلیمات دیں۔ انہیں اندر سے بدلا اور پھر ان افراد نے جماعت کی شکل اختیار کی تو پورے معاشرے کو بدل ڈالا۔

تاریخ کے مختلف ادوار کا جائزہ لیں، یا آج کے دور میں افراد، قوموں اور ملکوں کے باہمی تنازعات، جھگڑوں اور چپقلش کی وجوہات پر غور کریں، تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ انسانی تعصبات ان سارے فسادات کی جڑ ہیں۔ انسان نے رنگ، نسل، زبان اور قومیت کی بنیاد پر اتنے فتنے کھڑے کیے ہیں کہ چاند پر کمندیں ڈالنے اور ترقی کی انتہا تک پہنچنے کے باوجود انسانیت کے دکھوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ امیر اور غریب کے لیے انصاف کے پیمانے الگ الگ ہونے سے اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے تصورات کو نقصان پہنچا ہے۔

اخلاقی اقدار، خاص طور پر ایسی اقدار جو مذہبی تعلیمات سے اخذ کی گئی ہیں۔ ان پر دنیا میں جہاں کہیں بھی عمل ہوا، وہاں امن و آشتی، سماجی انصاف اور انسانی مساوات کا دور دورہ رہا ہے۔ مختلف مذاہب میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ آقا و غلام کا فرق مٹ گیا اور رنگ، نسل اور قومیت کی ساری تفریق جاتی رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدنا بلال کہہ کر پکارتے تھے۔ اجتماعی عدل کے لیے آج بھی ایسی ہی اخلاقی تعلیمات کی ضرورت ہے۔

اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کسی بھی معاشرے اور اس کے اداروں کے تحفظ میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جن معاشروں میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو، وہاں لوگوں کے قلبی اطمینان کی وجہ سے ترقی کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ اس سے خوش حالی آتی اور امن و امان قائم رہتا ہے جبکہ امن اور سکون کی وجہ سے ایسے معاشرے تادیر قائم رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں جنس، نسل، رنگ اور قومیت کے امتیازات زیادہ ہو جائیں، وہاں لوگوں کے دلوں سے ایک دوسرے کا احترام اٹھ جاتا ہے۔ اخلاقیات کمزور ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، نیز نفرتیں اور کدورتیں بڑھ جاتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں صرف رنگ و نسل کے امتیاز نے نیلسن منڈیلا کو 27 سال تک جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں رکھا اور اب بھی دنیا میں لاکھوں انسان تعصبات کا شکار ہیں۔

جنس کی بنیاد پر مرد و عورت میں امتیاز برتا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک حیاتیاتی عنصر ہے۔ اگرچہ عورت اور مرد کی جسمانی ساخت اور مزاج میں فرق ہے۔ قوت اور قوتِ کار کا فرق ہے اور ان کے دائرہ کار میں بھی فرق ہے لیکن اسے بنیاد بنا کر ترقی کے مواقع نہ دینا انصاف کے

خلاف ہے۔مغرب میں عورت کو آزادیٔ رائے، ترقی، حرکت اور روزگار کے یکساں مواقع میسر ہیں لیکن کوئی عورت اب تک امریکہ کی صدر منتخب نہیں ہوسکی۔روزگار کے یکساں مواقع ملنے کے باوجود اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کے کاموں میں وہ مردوں سے پیچھے ہے اور سائنس دانوں، فلسفیوں اور ادیبوں میں خواتین کی تعداد برابر نہیں۔اس کے باوجود انہیں انتخابات میں حصہ لینے، کسی بھی شعبہ حیات میں آگے بڑھنے، دولت، قوت اور مراعات کے حصول کی مکمل آزادی ہے اور اس میں کوئی تعصب روا نہیں رکھا جاسکتا۔ جنس کی بنیاد پر امتیاز روا رکھنا نہ صرف قانوناً غلط ہے بلکہ اخلاقی تقاضوں کے بھی سراسر خلاف ہے۔

اخلاقی تعلیمات نفرت اور تعصب سے دور رہنے کا سبق دیتی ہیں۔انسان نے جب سے مذہبی اور اخلاقی اقدار کو بھلا دیا ہے اس وقت سے تعصبات بڑھ گئے ہیں۔اجتماعی شعور کی بیداری اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود انسان ایک دوسرے کو تباہ کررہے ہیں۔جنگ عظیم دوم میں نازیوں نے نسلی تعصبات کی بنیاد پر دنیا کو روند ڈالا۔افریقی نسل کے نیگرو افراد کو دو سو سال امریکی غلامی میں گزارنا پڑے اور جنوبی افریقہ کی گوری اقلیت طویل عرصے تک کالوں کی اکثریت پر جبر سے حکمران رہی۔اسی طرح لسانی تعصب کی وجہ سے ایک دوسرے کی جان تک لینے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ان تمام نفسی بیماریوں کا علاج صرف اخلاقی تعلیمات سے ممکن ہے۔

تمام مذاہب اجتماعی عدل اور انسانی مساوات پر زور دیتے ہیں۔مذہب تقدس کا حامل ایک سماجی ادارہ ہے جو سماج پر بہت سے اثرات مرتب کرتا ہے۔یہ تعصبات اور طبقاتی کشمکش کی جڑیں کاٹتا ہے اور معاشرے میں اس سے امن اور خوش حالی آتی ہے۔البتہ مختلف مذاہب میں فاصلہ بڑھ جائے یا رواداری ختم ہوجائے یا عوام مذاہب کی روح کے مطالبے سمجھنے سے قاصر ہوں تو مذہبی تعصب اجتماعی عدل میں رکاوٹ بنتا ہے اور انسانوں میں انتہاپسندی کو پروان چڑھاتا ہے۔

مختلف مذاہب نے اجتماعی عدل پر زور دیا ہے۔یہودی عالم جوناتھان ساکس کے مطابق اجتماعی عدل کو یہودی مذہب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔اسی طرح عیسائیت کی سماجی تعلیمات میں اجتماعی عدل کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔کیتھولک چرچ کی تاریخ میں بھی اجتماعی عدل کو بلند مقام حاصل رہا ہے اور اس کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ اجتماعی عدل سے ہی قومیں زندہ رہتی ہیں۔یہاں تک کہا گیا کہ گرجا گھر کی ذمہ داری ہے کہ وہ مہذب معاشرے (Civil Society) میں سماجی انصاف کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔سکھ مذہب انسانی خدمت اور باہمی مساوات پر بہت زور دیتا ہے۔

اسلام نے اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کو نہ صرف تعلیمات میں سمویا بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا ہے۔مالدار اور نادار کا فرق کم کرنے اور دولت کی ذخیرہ اندوزی روکنے کے لیے زکوٰۃ اور عُشر کی ادائیگی فرض قرار دی ہے۔صدقات وخیرات کی ادائیگی کو اعلیٰ درجہ کا عمل قرار دیا۔لڑکیوں کو وراثت کا حق دار بنایا گیا اور سود سے منع کرکے معاشی استحصال کا راستہ روک دیا گیا۔اسلام کے نظامِ عبادات میں چھوٹے بڑے کی تفریق کو ختم کیا گیا ہے خانۂ خدا میں جو پہلے آئے وہ آگے جگہ پائے گا خواہ کوئی بھی ہو۔وہ تمام انسانوں کو آدم کی اولاد کہہ کر انسانی مساوات پر زور دیتا ہے۔اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں رنگ ونسل اور قومیت کی جڑ کاٹتے ہوئے فرمایا کہ کسی گورے کو کالے اور کسی عربی کو عجمی پر اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل ہے فضیلت تو صرف پرہیزگاری کی بنیاد پر ملتی ہے۔آپ ﷺ نے نہ صرف

غریبوں، بیواؤں، اپاہجوں، مسکینوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کا حکم دیا بلکہ خود اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔

صرف اسلام ہی نہیں دوسرے مذاہب بھی اخلاقی اقدار کے لیے ہمیشہ سے کوشاں رہے ہیں۔ مسیحیت نے خدمتِ خلق خصوصاً بیماروں کے علاج اور دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے روشن مثالیں قائم کی ہیں اور اس سلسلے میں وہ کالے یا گورے کی تمیز روا نہیں رکھتے۔ دور کیوں جائیں مدر ٹریسا نے ہندوستان میں جذامیوں کے علاج کے لیے ہسپتال بنوائے اور انہوں نے ساری زندگی ناداروں اور ایسے طبقے کے لیے وقف کر دی؛ جن کے کوئی قریب نہیں آتا تھا۔ اسی طرح سکھ مذہب میں غریبوں اور دیگر لوگوں میں پرشاد تقسیم ہوتا ہے؛ تو اس میں مذہب، رنگ ونسل یا قومیت کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی۔

سماجی انصاف کی اعلیٰ مثالوں میں ایک واقعہ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا ہے۔ ایک قبائلی سردار نے اسلام قبول کیا' اور بیت اللہ کے طواف کے دوران میں ایک بدو کا پاؤں اس کے احرام پر آ گیا۔ سردار نے طیش میں آ کر اسے تھپڑ دے مارا۔ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا' تو انہوں نے سردار کو اسی طرح بدو سے تھپڑ رسید کروایا۔ وہ سردار سماجی انصاف کو برداشت نہ کر سکا اور اسلام سے منحرف ہو گیا لیکن خلیفہ وقت نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔

یہ اخلاقی اقدار افراد اپناتے ہیں اور افراد کا اخلاقی عمل معاشرے میں رونما ہوتا ہے۔ اس طرح اخلاقی اقدار فرد سے معاشرے میں اور معاشرے سے اقوام میں مقبول اور رائج ہوتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب کے اولین مخاطب افراد ہوتے ہیں اور وہ اپنا سارا اخلاقی نظام افراد پر نافذ کرتے ہیں۔

معاشرتی ادارے

دنیا میں جہاں کہیں ظلم ہو، تعصبات بڑھ جائیں یا انسانی مساوات کو ملیا میٹ کر دیا جائے تو سمجھ لیں کہ وہاں انسان اخلاقی اقدار سے عاری ہو چکا ہے۔ ظلم حد سے بڑھتا ہے تو اسی معاشرے سے کچھ لوگ حالات کا رخ بدلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ بات طے ہے، کہ کوئی معاشرہ اچھے انسانوں سے بالکل خالی نہیں ہوتا۔ البتہ اجتماعی عدل کا قیام اور انسانی مساوات قائم کرنے کے لیے ادارے ضروری ہوتے ہیں۔ آج بھی معاشرے میں حکومتی، غیر حکومتی اور بین الاقوامی سطح پر ایسے ادارے قائم ہیں جو اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے لیے کوشاں ہیں۔

ریاستی ادارے:

ریاستی ادارے کسی ملک کے اندر قانون کی حکمرانی قائم کر کے سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم کرتے ہیں۔ ان میں مقننہ قانون ساز ادارے ہوتے ہیں۔ ملک میں جمہوریت ہو تو عوامی مطالبات اور عدل و انصاف کے مطابق قانون سازی کی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی حکمران طبقہ خود ایک فریق بن جاتا ہے مثلاً فیوڈل لارڈز اکثریت میں ہوں تو ایسے قوانین بنتے ہیں جو انہیں راس آتے ہیں۔ امیر اور غریب کا تفاوت بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح انتظامیہ اگر اخلاق سے عاری ہو تو رشوت اور سفارش کا دور دورہ ہے اور وہ انصاف نہیں کر پاتی۔ عدلیہ کا کردار سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے لیکن معاشرے کا بگاڑ زیادہ ہو اور آوے کا آوا بگڑ جائے تو حالات اس کے قابو میں آسانی سے نہیں آتے۔

یہ ادارے رنگ، نسل اور قومیت کے امتیازات تو نہیں برت پاتے، کہ ملک کے اندر اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کی تنظیمیں جاگ رہی ہوتی ہیں۔ البتہ تیسری دنیا کے نادار ممالک جہاں جہالت بھی ہے اور عوام اپنے حقوق کا حقیقی شعور بھی نہیں رکھتے، وہاں طبقاتی کشمکش میں عدل اور مساوات کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ بڑی بڑی آسامیوں پر بھرتی کرتے وقت مطلوبہ تعلیمی لیاقت دیکھنے کے علاوہ افراد کی اخلاقی ساکھ کا بھی کھوج لگایا جائے

مذہبی ادارے:

اخلاقی اقدار، مذہبی اقدار سے جنم لیتی ہیں۔ ان اقدار کی ترویج کے لیے مذہبی ادارے وجود میں آتے ہیں اور مذہبی ادارے ہی معاشرے یا ملک کے اندر اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کے قیام میں ہمیشہ فعال رہے ہیں۔ مغرب میں گرجا گھر کا کردار نمایاں رہا لیکن جب ریاست سے اس کا عمل دخل ختم ہو گیا' تو وہ فعال نہیں رہا۔ البتہ عوامی سطح پر غیر حکومتی اداروں میں اب مذہبی طبقہ آگے آگے ہے اور خدمت خلق کے لیے سرگرم ہے۔

اسی طرح مسجد، مندر، گردوارے، مزارات اور دینی مدارس کا اپنا ایک کردار ہے۔ یہ ادارے نظامِ عبادات میں کامل مساوات کا

اہتمام کر کے لوگوں کو عملاً مساوات کی تعلیم و تربیت دیتے ہیں۔ اس لیے دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کی عبادت گاہیں، دفاتر، تنظیموں اور اداروں سے وابستہ لاکھوں افراد سماجی انصاف کے لیے کوشاں ہیں۔ تاہم ضرورت ہے کہ ان اداروں کو تعصبات سے پاک رکھا جائے اور یہ فرقہ واریت سے بالاتر رہیں۔

تعلیمی ادارے:

قوموں کی تعمیر و ترقی اور عدل و انصاف کے مستقبل قیام کے لیے تعلیمی اداروں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔ ان اداروں کی تعلیم کے مقاصد میں اخلاقی اقدار کو سمو دیا جائے، تو نئی نسل کے اذہان کی تشکیل کے سانچے قائم ہو جاتے ہیں۔ جمہوری ریاستوں، کمیونسٹ ملکوں اور دیگر بہت سے معاشروں میں تعلیمی ادارے ایسے پیمانے ہیں، جو قوموں کے مزاج اور اخلاقیات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

ان اداروں میں قانون رنگ، نسل، قومیت کا امتیاز منع ہے اور داخلے پر کسی بھی فرد کے لیے کوئی پابندی نہیں۔ البتہ نیلسن منڈیلا کی طالب علمی کی آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے کہ عملاً ایک حد تک اب بھی تعصبات موجود ہیں۔ مغرب میں بھی ایسے تعلیمی ادارے ضرور ہیں، جہاں ایک غریب بچے کے لیے عملاً داخلہ مشکل ہوتا ہے۔

سماجی ادارے:

ان اداروں میں حکومتی اور غیر حکومتی (NGOs) دونوں قسم کے ادارے شامل ہیں، جیسے ایدھی ٹرسٹ، سہارا ٹرسٹ، خواتین کی تنظیمیں، تجارتی، معاشی، سیاسی اور خدمتِ خلق کے ادارے وغیرہ۔ ان کے قیام کا بنیادی مقصد عوام کو ان کے حقوق دلانے میں مدد دینا ہے۔ ان سب کی اخلاقی ذمہ داری ہے، کہ رنگ، نسل، وطن اور قومیت سے بالاتر ہو کر عوامی خدمات سر انجام دیں۔ یہ ادارے کہیں کہیں تعصبات کا شکار یا مفادات کے لیے کوشاں بھی نظر آتے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ ایسے سماجی دباؤ کے مراکز ہیں، جن کا کام بھلائی اور خدمت کو آگے بڑھاتا ہے۔ اخلاقی تربیت سے یہ ادارے اور بہتر ہو سکتے ہیں۔

مستقبل کی روشنی:

عدل و مساوات کے قیام کے لیے یہ جاننا ضروری ہے، کہ افراد، اقوام اور بین الاقوامی ادارے اخلاقیات سے انحراف کیوں کرتے ہیں یعنی اس سنگین ناانصافی کی جڑیں کہاں کہاں ہیں، تا کہ ان کا قلع قمع کیا جا سکے۔

دنیا بھر کے عدل پسند لوگ یہ جانتے ہیں، کہ انسان انا پرست ہے، اور تعصب کہیں نہ کہیں اس کے ضمیر میں موجود ہے۔ تعلیم کے عام ہونے بلکہ ترقی کی معراج پالینے اور چاند پر کمندیں ڈالنے کے باوجود زیادہ باوسائل قومیں اب بھی انصاف کے تقاضوں اور مساوات کے ضابطوں کو پامال کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑے بڑے بین الاقوامی ادارے عدل قائم کرنے میں ناکام ہیں اور آج بھی انسان عدل و انصاف کے حصول کو ترس رہا ہے۔

ان تمام دکھوں کا مداوا اخلاقی اقدار کو صدقِ دل سے قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ عمومی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم کا دائرہ وسیع کیا جائے۔

☆ وسائل کے حصول اور استعمال میں اقوامِ عالم اخلاقیات سے بالاتر نہ ہوں۔

☆ طمع، لالچ اور آسودگی میں انسان اس قدر کھو گیا ہے، بلکہ اخلاقیات کی زبان میں لذت کے حصول کے نظریے کو اپنا کر خدائے برتر سے رشتہ توڑ بیٹھا ہے۔ اب وہ صرف اپنی ذات یا خاندان کے لیے جیتا ہے۔ ضروری ہے کہ اخلاقی دباؤ بڑھا کر اسے قائل کیا جائے، کہ صرف اپنی ذات کے لیے جینا انسانیت کا معیار نہیں۔

☆ لوگ الفت محبت، یگانگت اور انسانیت کے درد سے نا آشنا ہو رہے ہیں اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ احساس زیاں بھی نہیں ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اس سنگ دلی سے نجات اور انسانی دکھوں کے مداوے کے لیے ضروری ہے کہ اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1- اجتماعی عدل اور انسانی مساوات معاشرے اور ان کے اداروں کے محافظ کیوں کہلاتے ہیں؟

2- اجتماعی عدل کے قیام میں تعلیمی اور مذہبی اداروں کے کردار متعین کریں۔

3- افراد، اقوام اور بین الاقوامی ادارے عدل و مساوات کے قیام سے انحراف کیوں کرتے ہیں اور مستقبل میں اس کا سدِ باب کیسے ممکن ہو گا؟

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1- بڑے بڑے تعصّبات اور امتیازات کون کون سے ہیں؟

2- اجتماعی عدل کے لیے کون سی چیز زیادہ موثر ہو سکتی ہے؟

3- کون سا ادارہ سماجی عدل اور انسانی مساوات میں زیادہ کردار ادا کر سکتا ہے؟

4- ریاستی ادارے جو اجتماعی عدل کے ضامن ہو سکتے ہیں وہ کون کون سے ہیں؟

5- کون سی تعلیم رنگ و نسل کے امتیازات کم کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔

(ج) مختصر جوابات لکھیں۔

1- .... انسانیت کا جوہر خاص ہے۔

(ا) تعلیم (ب) معیشت (ج) اخلاق (د) مساوات

2- عدل کے قیام کے لیے .... ضروری ہے۔

(ا) قانون (ب) اخلاقی تعلیم (ج) انتظامیہ (د) عدلیہ

3- سماجی انصاف کی مثالیں ———— میں موجود ہیں۔

(ا) اسلام (ب) مسیحیت (ج) بدھ مت (د) الف، ب، ج

4- اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

(ا) تعصبات (ب) نظریہ لذت (ج) اخلاقی تعلیم کا فقدان (د) الف، ب، ج

5- موجودہ دور میں ناانصافیوں کی اہم ترین وجہ .... ہے

(ا) لالچ (ب) الفت و محبت کی کمی (ج) احساسِ زیاں کا فقدان (د) طاقت کا نشہ

(د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

1- جنس ایک .... عنصر ہے۔

2- مسیحیت .... میں دوسروں سے آگے ہے۔

3- مقننہ کا کام .... ہے۔

4- وسائل کے حصول اور .... میں اقوام اخلاقیات سے عاری ہیں۔

5- تعلیم یافتہ انسان بھی .... تعلیم کی کمی کی وجہ سے تعصبات کا شکار ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1- اجتماعی عدل کے موضوع پر ایک گروہی مباحثہ کیجیے۔

2- اپنے ادارے میں عدم مساوات کے عناصر کی نشان دہی کیجیے۔

3- آپ مساوات اور عدل کے لیے کیا کچھ ضروری سمجھتے ہیں، ایک صفحے کا نوٹ لکھیے۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- ''ہمارا انصاف ادارے تک'' اس موضوع پر طلبہ کو بتائیے کہ تعلیمی ادارے میں اجتماعی عدل اور انسانی مساوات کی بنیادیں کیسے مستحکم ہوتی ہیں۔

کام کی جگہ پر وقت اور پابندیِ وقت کی اہمیت

وقت وہ قیمتی متاع ہے، جو تمام انسانوں کو برابر عطا کی گئی ہے۔ یہ دولت نہ ذخیرہ کی جاسکتی ہے اور نہ اس کے آگے روک لگائی جاسکتی ہے۔ جو لوگ اس کی اہمیت سے واقف ہیں' وہ فائدہ اٹھا کر ترقی کرتے اور نام پیدا کرتے ہیں۔ جو اس کی افادیت نہیں جانتے وہ اسے ضائع کرتے ہیں۔ جب یہ گزر جاتا ہے' تو سوائے پچھتاوے کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ گیا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔

وقت ہی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی قدر و قیمت کا ادراک ہو' تو انسان اس سے فائدہ اٹھا کر اس دنیا میں سہولتیں حاصل کرتا ہے، عزت وقار سے جیتا ہے اور جب روزِ حساب اس سے سوال کیا جائے گا، کہ وقت یا زندگی کیسے گزاری؟ تو اس کے لیے جواب دینا بھی آسان ہوگا۔ یاد رہے کہ ایک آدمی کی ذاتی زندگی میں اس کی جتنی اہمیت ہے' قومی اور اجتماعی زندگی میں بھی یہ اتنا ہی اہم ہے۔ قومیں اسی کی قدر و قیمت جان کر ترقی کرتی اور عروج حاصل کرتی ہیں۔ کام کی جگہ' پر خواہ وہ دفتر ہو یا کارخانہ اور کمپنی ہو یا ادارہ وقت ہی سب سے قیمتی متاع ہوتی ہے۔

وقت سے استفادے کی بہترین صورت اور عملی پہلو پابندیِ وقت ہے۔ ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سارا کارخانۂ قدرت وقت کا پابند ہے۔ سورج وقت پر طلوع اور وقت پر غروب ہوتا ہے۔ سیاروں کی گردش، موسموں کا ادل بدل الغرض کائنات کا سارا نظام وقت اور نظم کا پابند ہے۔ اگر اس نظام میں ذرا سا فرق آجائے تو سونامی جیسے طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام مذاہب میں عبادات کے اوقات مقرر ہیں اور وقت پر کی گئی عبادت ہی عبادت کہلاتی ہے۔ جب کائنات کا ہر ذرہ وقت اور نظم کا پابند ہے' تو اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے' کہ کوئی بھی کام بہتر طور پر سرانجام دینے کے لیے وقت کی پابندی از بس ضروری ہے۔

اگر ہم کسی کمپنی، کارخانے، دفتر یا ادارے میں ملازم ہیں یا طالب علم ہیں تو ہمارے لیے لازم ہے' کہ ہم کام کی جگہ پر نہ صرف پہنچنے میں وقت کے پابند ہوں، بلکہ مقررہ اوقات میں اپنی اپنی ذمہ داریاں بھی پوری کریں۔ اور وہی کام کریں جو ہمیں تفویض ہوا ہے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ کام کے آغاز سے قبل چائے یا کافی پیتے ہیں، مگر یہ سب کچھ کام کی جگہ پر مقررہ اوقات سے پہلے ہونا چاہیے۔ اگر بہت سے کارکن یہ طریقہ کار بنالیں کہ یہ کام کے اوقات میں چائے یا کافی پئیں' اور سال بھر ایسا ہوتا رہے' تو کمپنیاں، کارخانے، ادارے اور درس گاہیں اپنے مقاصد حاصل نہیں کر پائیں گی۔ ہمارے مشاہدے کے مطابق ملازمین کے روزانہ دس پندرہ منٹ ضائع کرنے سے ایک بڑا نقصان ہوتا ہے۔

کام کی جگہ پر وقت کی پابندی ہمارے عزت و وقار میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ جو لوگ ہر روز مقررہ اوقات سے دس منٹ پہلے پہنچتے ہیں اور عین چھٹی کے وقت' یا اس سے چند منٹ بعد کام کی جگہ چھوڑتے ہیں' تو ان کے افسرانِ بالا اس پابندی وقت سے ان کے بارے میں عمدہ رائے قائم کرتے ہیں۔ ان کے رفقائے کار انھیں قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ عام زندگی میں بھی ان کی اس خوبی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ہر کام بروقت پورا کیا جائے' تاکہ ہم چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر قابو پاسکیں۔ آخری وقت پر کام کرنے سے بہت سے تقاضے پورے نہیں

ہوتے۔ کبھی بنیان پہننا بھول گئے، کبھی جرابیں الٹی پہن لیں اور کبھی شناختی کارڈ یا موبائل فون گھر بھول آئے۔ اس سے بھی بڑی بات یہ کہ وہ کام کی جگہ پر دیر سے پہنچتے ہیں، تو ان کی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر بار بار ایسا ہو تو ملازمت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اچھے اداروں کے منتظم کارکنوں اور ملازمین کو رعایتیں اور مراعات دیتے ہیں مگر وقت کی پابندی پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے۔

کام کی جگہ پر وقت کی پابندی کرنے والے لوگ نہایت خاموشی سے اپنے کارخانے، کمپنی ادارے اور تنظیم کے منتظمین کو یہ پیغام دیتے ہیں، کہ وہ راست باز، دیانتدار، قابلِ اعتماد اور ذمہ دار انسان ہیں۔ وہ ایسے ادارے سے ذہنی طور پر ہم آہنگ ہیں اور اس کے وفادار بھی۔ وقت کی یہ پابندی ان کے لیے ترقی کی راہیں کھول دیتی ہے۔ پابندیِ وقت نہ صرف ایک اچھی عادت ہے بلکہ عمدہ انسانی کردار کی شناخت بھی ہے۔ مزید برآں وقت کی پابندی انسانی اخلاق پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہے اور اسے اپنے گھر، شہر اور وطن کے معاملات میں وقت کا پابند رہنے کا سبق دیتی ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ "وقت کی قدر و قیمت" پر ایک مضمون لکھیں جو کم از کم دو صفحات پر مشتمل ہو۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے کون سی نعمت تمام انسانوں کو برابر دی ہے؟
2۔ وقت سے استفادے کی عملی صورت کیا ہے؟
3۔ کام کی جگہ پر روزانہ چند منٹ ضائع ہوں تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟
4۔ کام کی جگہ پر تاخیر سے پہنچنے سے سب سے بڑا نقصان کیا ہوتا ہے؟
5۔ وقت کی پابندی ایک فرد کی ترقی کے لیے کیا کردار ادا کرتی ہے؟

(ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیے۔

1- انسانی ناموری اور عظمت کا راز .... میں مضمر ہے۔

(ا) شہرت (ب) دولت (ج) وقت سے استفادے (د) پابندیِ وقت

2- کام کی جگہ پہ وقت کی پابندی نہ کرنے سے زیادہ نقصان .... کا ہوتا ہے۔

(ا) کمپنی (ب) ملازم (ج) عزتِ نفس (د) عوام

3- پابندیِ وقت سے..................ہوتا ہے۔

(ا) مالی فائدہ (ب) عزت اور اعتماد میں اضافہ (ج) ساکھ بہتر (د) الف، ب، ج

4- ہر کام کو آخری لمحوں تک ٹالنے سے

(ا) ہمیشہ کام نامکمل رہتا ہے (ب) افراتفری میں کچھ اور باتیں بھول جاتے ہیں

(ج) تاخیر ہو جاتی ہے (د) الف، ب، ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ زندگی..................کا دوسرا نام ہے۔

2۔ عبادات کے..................مقرر ہیں۔

3۔ کائنات کا ہر ذرہ نظم اور..................کا پابند ہے۔

4۔ جائے کار پر وقت کی پابندی آپ کی عزت اور..................میں اضافہ کرتی ہے۔

5۔ پابندیِ وقت انسان کے عمدہ..................کی شناخت ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ تمام طلبہ ایک ڈائری بنائیں جس میں روزمرہ کے امور اور ان پر پابندی سے عمل کے اوقات درج کریں ــــــ عبادات، نیند، سیر اور گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے اور ہر مضمون کو مناسب وقت دیا جائے، ہفتے بعد جائزہ لیں کہ کیا آپ ہر کام وقت پر کر رہے ہیں؟

2۔ تمام طلبہ مل کر ایک طالب علم کی چوبیس گھنٹوں کی مصروفیات کا نظام الاوقات بنائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ نظم وضبط اور پابندیِ وقت پر تمام طلبہ سے عمل کرائیں۔

2۔ تاخیر سے آنے والوں کا وقت نوٹ کریں اور انہیں آگاہ کریں کہ آج دیر سے آنے سے آپ کا کتنا نقصان ہوا ہے۔

باب
4

آداب

کام کی جگہ کے آداب

دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے ہر انسان کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے۔ ایک کاروبار کرتا ہے تو دوسرا کسی کمپنی، کارخانے یا کسی ادارے میں ملازمت کرتا ہے۔ یہ روزگار کے سلسلے ہیں۔ البتہ ہر جگہ کام کرنے کے ایسے آداب ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم کسی ادارے کے منتظم ہوں، کسی کارخانے میں مزدور یا کسی دفتر میں ملازم۔ اُن مراسم، ضوابط، اخلاق اور آداب پورے کرنے ہی سے آپ باوقار طریقے سے اپنے منصب سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ ان آداب پر عمل کرنے سے جہاں کارخانوں کی پیداوار بڑھتی ہے وہاں ماحول بھی خوش گوار رہتا ہے اور انفرادی قوتِ کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ پہلے چند عمومی نوعیت کے آداب بیان کیے جاتے ہیں جن کا کام کی جگہ (Work Place) پر خیال رکھنا ضروری ہے۔

- کام کی جگہ پر کام کرنے کے لیے نئے لوگ آتے ہیں تو وہ آداب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ منتظمین اور پرانے کارکنوں کا فرض ہے کہ وہ نئے ملازمین کو کام کی جگہ کے آداب سے آگاہ کریں۔
- ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے رفقائے کار سے عمدہ رویہ اختیار کریں۔ ہم دوسروں کی عزت کریں گے تو ہماری عزت کی جائے گی اور ماحول اچھا رہے گا۔
- وقت کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں یہاں ہماری ساکھ متاثر ہوتی ہے وہاں یہ تاثر بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہم ادارے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ آپ اپنی ذات کو ادارے کے مفاد کی نسبت زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔
- اداروں میں کئی قسم کے اجلاس ہوتے ہیں، جن میں بہتری کا لائحہ عمل مرتب کیا جاتا ہے۔ ہم ان اجلاسوں میں بروقت شریک ہوں۔ یہ بات اور بھی معیوب ہوگی، کہ ہم تاخیر سے آئیں اور دوران اجلاس دوسروں سے پوچھیں کہ کیا کچھ کیا جا چکا ہے؟
- موبائل فون اور لیپ ٹاپ اس دور کی نہایت مفید سہولتیں ہیں مگر اجلاس کے دوران یا کام کی جگہ پر کام کے دوران میں ان کے استعمال سے گریز کریں۔
- کام کی جگہ پر جہاں خوش اخلاقی اور دوسروں کی مدد کرنے کے جذبے قابل قدر ہوتے ہیں، وہاں شخصیت کے ظاہری پہلو بھی قابلِ توجہ ہوتے ہیں۔ ہمیشہ لباس، جوتوں، اور بدن کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔
- دوسروں کے کام میں مداخلت نہ کریں اور اپنا فرض خوش اسلوبی سے نبھائیں۔

انتظامیہ اور آداب:

افراد کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ ذمہ داری جتنی بڑی ہو اتنی ہی صلاحیت، قوتِ کار، حوصلے اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگ بڑے عہدوں پر کام کرتے ہیں ان سے اخلاق کے تقاضے یہ ہوتے ہیں۔

- اگرچہ مختلف نوعیت کے کاموں کے لیے مختلف لوگوں کو بھرتی کیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود ایک شعبے میں کام کرنے والے افراد میں فرق ہوتا ہے۔ کام تفویض کرتے وقت ان کی صلاحیتوں اور وقت کے دورانیے کا خیال رکھیں۔
- بعض چرب زبان اور خوشامدی افراد انتظامیہ کے دل میں نرم گوشہ پیدا کر لیتے ہیں ان سے رعایت کی جائے تو عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ دوسرے کارکن بد دل اور بدظن ہوتے ہیں۔ اس لیے انصاف کے تقاضے ہر حال میں پورے کیے جائیں۔
- اپنے ماتحت عملے کے ساتھ اچھا رویہ اپنائیں۔ وہ عہدے اور صلاحیت میں کم ہونے کے باوجود بھی عزتِ نفس رکھتے ہیں۔ ہم ان کا احترام کریں تو وہ مشکل حالات میں ہمارے مضبوط دست و بازو بنیں گے۔
- ہر اجلاس بلاتے وقت اس کے مقاصد، وقت کے دورانیے اور زیر بحث امور سے سب کو وقت سے پہلے آگاہ کریں تاکہ شرکا تیاری کر کے اجلاس میں شریک ہوں۔
- اجلاس میں اخلاقی ضابطوں یا ملازمت کے آداب بتانا مقصود ہوں تو نرم لہجے میں گفتگو کریں۔
- موبائل فون کا استعمال اجلاس کے دوران نہ کریں اور ناگریز ہو تو موبائل فون کا استعمال کرنے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے معذرت کر لیں۔ اجلاس کے آخر میں تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرنا ہرگز نہ بھولیں۔
- اگر ملازمین اپنے مطالبات پیش کریں، تو باہمی گفت وشنید کے بعد قابلِ عمل مطالبات تسلیم کر لیں اور جن پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو کارکنوں کو ان کی وجوہات بتا دیں، تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں۔
- اجلاسوں میں تمام شرکاء کو آزادی سے رائے دینے اور اختلاف کرنے کی سہولت فراہم کریں۔

ماتحت عملہ اور آداب

- ہر ماتحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسران بالا کا احترام کرے۔ اگر انتظامیہ کوئی حکم جاری کرے، تو اس پر عمل کرے۔ ممکن ہے کسی حکم سے آپ کو اختلاف ہو ایسی صورت میں متعلقہ ذمہ دار اصحاب کے سامنے اپنا نقطۂ نظر رکھے۔ ضرورت ہو تو افسرانِ بالا کے پاس اپیل کریں۔ مگر طیش میں آ کر بدزبانی کرنا اور کسی حکم کو جھگڑے کی بنیاد بنانا بُری بات بھی ہے اور خلافِ ادب بھی۔
- افسران بالا کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئیں۔ یہ رشتہ خلوص پر قائم ہونا چاہیے۔ اس سے آپ کے وقار میں اضافہ ہوگا۔
- خوشامد، چاپلوسی اور بے جا تعریف عام طور پر کامیاب ملازمت کے گُر تصور کیے جاتے ہیں، مگر ان منفی صفات کے نتائج انسان کو

دوسروں ہی کی نہیں، خود اپنی نظروں سے بھی گرا دیتے ہیں۔ ان سے پرہیز کریں۔ یہ حربے وہ لوگ اپناتے ہیں جن سے اور کچھ نہیں بن پڑتا۔

- وقت کی پابندی ملازمت کا تقاضا اور اخلاق کا ماحاصل ہے۔ اس کے قواعد سے واقف ہو کر اس پر عمل کیجیے۔
- اجلاس کے دوران میں موبائل فون بند رکھیں۔ خاموشی اور غور سے اجلاس کی کاروائی سنیں اور ضرورت پڑنے پر بولنا پڑے، تو اپنی آواز پست رکھیں۔
- افسرانِ بالا، رفقائے کار اور دیگر تمام لوگوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں۔ اس سے آپ کو ذہنی سکون ملے گا۔
- کام کی جگہ پر اپنا لباس صاف ستھرا رکھیں اور شخصیت کے ظاہری پہلوؤں کو نظر انداز نہ کریں۔ بڑھی ہوئی شیو، بغیر پالش جوتے، لٹکتے ہوئے تسمے اور ٹوٹے ہوئے بٹن، ان چیزوں کو کہیں بھی پسند نہیں کیا جاتا۔ اس سے ایک تاثر یہ ملتا ہے، کہ آپ جس قدر خود سے بے نیاز ہیں، ادارے سے بھی اسی طرح بے پروا ہیں۔
- کھانے کے کمرے کو صاف رکھیے اور کھانے کی باقیات کو ٹھکانے لگا کر جائیں۔
- غلط افواہوں پر توجہ نہ دیں اور انھیں پھیلانے میں کوئی کردار ادا نہ کریں۔ اس منفی سرگرمی سے ادارے اور کمپنی کا خسارا بڑھ جاتا ہے۔
- کام زیادہ، اور مطالبات کم کیجیے۔ آپ کے یہی رویے آپ کی ترجیحات کا پتہ دیتے ہیں۔
- تکرار سے اجتناب کریں۔ اپنے ہم کار ساتھیوں کی عزت کریں۔ اس سے آپ کی توقیر بڑھے گی۔ ان کی مدد کریں۔
- چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھیں۔ دوسروں کی طرف منہ کر کے کھانسنا یا چھینکنا معیوب ہے۔ تم کی بجائے آپ کہہ کر دوسروں کو پکاریں۔ ان آداب پر عمل کرنے سے خود آپ کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا۔

خدمت گار اور آداب:

انسان گاؤں میں رہے یا شہر میں، وہ اپنی جملہ ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ کاروبار یا ملازمت کرتے ہوئے ہم صرف ایک کام کر سکتے ہیں جبکہ ضرورتیں بے شمار ہوتی ہیں، اور یہ ضرورتیں مختلف افراد پوری کرتے ہیں۔ ٹیلی فون، بجلی، سوئی گیس، محکمہ صحت کے کارکنوں، ڈاکخانے کے ملازمین اور صفائی کرنے والوں کے علاوہ گھروں میں کام آنے والے ملازمین سے ہم طرح طرح کی خدمات لیتے ہیں۔ شادی یا مرگ کے موقع پر بڑے پیمانے پر خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ان خدمت گاروں سے پیش آنے کے آداب یہ ہیں۔

- جہاں ایک طرف خدمات سرانجام دینے والوں کے لیے ضروری ہے، کہ وہ شکایات کا ازالہ فوری کریں خصوصاً بڑے اداروں کے سرکاری ملازمین کے لیے اہم ہے، کہ وہ صارفین کو ان کا حق خوش اخلاقی اور خوش اسلوبی سے پہنچائیں، وہاں صارفین کے لیے بھی ضروری ہے، کہ وہ تلخی کی بجائے ان خدمت گاروں سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آئیں۔
- پالیسیاں محکمے بناتے ہیں اور صارفین اپنا غصہ ملازمین پر نکالتے ہیں۔ اپنا ردِ عمل ظاہر کرنے سے پہلے حقیقت حال سے آگاہی حاصل کر لیں اور احترامِ آدمیت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے براہِ راست متعلقہ محکمہ سے رجوع کریں۔

o گھریلو ملازمین آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ مہنگائی کے دور میں ان کے لیے جینا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ کئی گھروں میں بیک وقت کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کی مجبوریوں کا احساس کریں۔ ممکن ہے وہ قدرتی آفات یا بدقسمتی سے گھروں کی صفائی اور برتن دھونے پر مجبور ہوئے ہوں۔ جھڑکیاں دے کر ان کے دکھوں میں اضافہ نہ کریں بلکہ ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھیں۔

o گھریلو ملازمین کو معقول معاوضہ دیں۔ مقررہ معاوضے کے علاوہ بھی کپڑے یا اجناس کی شکل میں ان کی مدد کریں۔ بڑے گھروں میں بچا ہوا کھانا کوڑے دان میں ڈال دیا جاتا ہے جب کہ اس سے یہ ملازمین استفادہ کر سکتے ہیں۔

o غصے میں لعن طعن، بدزبانی اور بدکلامی سے پرہیز کریں۔ آپ ملازمین کی عزت کریں تو وہ آپ پر جان نچھاور کرنے کو تیار ہوں گے۔ کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔

ملاقاتی اور آداب:

کام کی جگہ پر آنے والے کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ تو منتظمین یا ادارے کے سربراہ کے پاس ان کے بلانے پر آتے ہیں، یا اور کچھ ذاتی شکایات لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ یہ سب افراد قابلِ احترام ہوتے ہیں۔ ان کے کام کیجیے اور انھیں عزت و احترام بھی دیجیے۔ بہت سے دفاتر میں ان لوگوں سے اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ انھیں خوش آمدید کہا جائے اور خوش دلی سے ان کے مسائل حل کیے جائیں اور ان کی شکایات کا ممکنہ حد تک فوری ازالہ کیا جائے۔

o کام کی جگہ پر آنے والے ملاقاتیوں میں کچھ لوگ صرف دوستوں سے ملنے یا گپ شپ کرنے کے لیے آتے ہیں۔ ایسے ملاقاتی کا دس پندرہ منٹ سے زیادہ وقت نہ لیں، وہ بھی صرف کام کی صورت میں، ورنہ چھٹی کے بعد ملاقات کے اوقات طے کر لیں۔ کام کی جگہ پر کام کرنے والوں کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو جلد فارغ کریں اور اپنے اصل کام کی طرف توجہ دیں۔

o بعض ملاقاتی سرکاری یا نجی ادارے کے فون، فیکس، فوٹو کاپیئر اور دیگر کارآمد مشینوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ استفادے کا یہ انداز نہ صرف غیر قانونی ہے بلکہ اخلاقاً بھی ممنوع ہے۔ اس عادت سے پرہیز کیجیے۔

ادارے، ان کے افسرانِ بالا، ماتحت عملہ اور دیگر کارکن ان اخلاقی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کریں۔ تو نہ صرف ان میں باہمی محبت، انسیت اور الفت میں اضافہ ہوگا۔ بلکہ دفتر کی کارکردگی پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور اس ادارے کی عوام میں نیک نامی بھی ہوگی۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ کام کی جگہ پر منتظم کے لیے کون کون سے آداب ضروری ہیں۔

2۔ کام کی جگہ پر ماتحت عملے کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

3۔ مختصر نوٹ لکھیے۔

(الف) کام کی جگہ پر آداب کی اہمیت (ب) خدمت گار اور آداب

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ کام کی جگہ پر آداب کا خیال رکھنے سے ماحول پر کیا اثر پڑتا ہے؟

2۔ اجلاس میں منتظم کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

3۔ ماتحت عملے کے مطالبات سے کیسے نپٹا جائے؟

4۔ خوشامد اور چاپلوسی کرنے والوں سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟

5۔ گھریلو ملازمین کی تنخواہ کے علاوہ کیسے مدد کی جا سکتی ہے؟

(ج) درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

1۔ ایک ملازم کے لیے سب سے اہم ہے۔

(الف) مشاہرہ (ب) عہدہ (ج) عزتِ نفس (د) الف، ب، ج

2۔ کام کی جگہ پر وقت کی پابندی کی جائے تو

(الف) ایک فرد کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے (ب) اس کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں

(ج) انتظامیہ خوش ہوتی ہے (د) آمدن میں اضافہ ہوتا ہے

3۔ غلط افواہ پھیلنے سے زیادہ نقصان .... کا ہوتا ہے؟

(الف) منتظم (ب) ماتحت ملازم (ج) کارخانے (د) کسی کا بھی نہیں

4۔ آداب پر عمل سے فائدے میں رہتا ہے۔

(الف) منتظم اعلیٰ (ب) کارکن (ج) سرمایہ دار (د) الف، ب، ج

5۔ کام کی جگہ پر ملاقات کے لیے آنے والوں کو.......................

(الف) تھوڑا وقت دیں (ب) گپ شپ کے بعد فارغ کر دیں

(ج) آنے سے منع کر دیں (د) کچھ نہ کہیں

(د) درج ذیل سوالات میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

1۔ ملازمین کا کام ہے کہ جیسے بھی ہو صارفین کو ان کا حق پہنچائیں۔

2۔ محکمے غلط پالیسیاں بنائیں تو ردِ عمل میں عوام ملازمین پر غم و غصے کا اظہار کرتے ہیں۔

3۔ تکرار نہ کریں تو آپ کی توقیر بڑھے گی۔

4۔ ملازمین کے مطالبات تسلیم کر لینے میں آپ کی عافیت ہے۔

5۔ خوشامد کارگر ہتھیار تصور کیا جاتا ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ ہر طالب علم اپنے والد/والدہ سے ان کے ادارے/کارخانے، دفتر کے آداب پوچھے اور نوٹ کرے۔ پھر اپنے استاد کو دکھا کر ایک ادارے، ایک کارخانے اور ایک دفتر کے آداب لکھ کر فائل بنائیں۔

2۔ طلبہ کے گھروں میں گھریلو ملازمین سے کیسا سلوک کیا جاتا ہے ان سے پوچھ کر مشترک نکات اکٹھے کیے جائیں۔

(و) اساتذہ کے لے ہدایات

1۔ معاشرے میں ملازمین کے ساتھ غلط سلوک ایک روایت بنتی جا رہی ہے۔ طلبہ میں شعور بیدار کریں کہ یہ روایت غلط ہے۔

2۔ طلبہ سے پوچھیں کہ اگر وہ بڑے ہو کر آفیسر بنے تو ماتحتوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے اہم نکات لکھ کر انہیں کمرۂ جماعت میں آویزاں کرائیں۔

❁❁❁

باب
5
مشاہیر

نیلسن منڈیلا۔ ضمیر کا قیدی

نیلسن منڈیلا

آزادی ایک بیش بہا نعمت ہے، اور اس کی خواہش اور طلب انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اسی لیے انسان نے آزادی کے حصول کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ جو افراد یا قومیں ایثار نہیں کرتیں، وہ غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غلامی سے نجات اور تحریکِ آزادی کی کامیابی ہمیشہ اُن افراد کی جدوجہد کی مرہونِ منت ہوتی ہے، جو اپنے خون سے تاریخ رقم کرتے ہیں، یا ہمت و حوصلے سے حالات کا رخ بدل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ ایسی روشن مثالیں قائم کرتے ہیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوتی ہیں۔ جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا تاریخ کا ایک ایسا ہی لازوال کردار ہیں، جنھوں نے 27 سال جیل کی تاریک کوٹھڑی میں گزار دیے مگر اِن کے حوصلوں کو پست نہ کیا جاسکا۔ حریت پسند اور آزادی کی تحریکوں کے پُرجوش کارکن آج بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو سعادت اور کامیابی کی دلیل سمجھتے ہیں۔

نیلسن منڈیلا 28 جولائی 1918ء کو جنوبی افریقہ کے ایک صوبے ٹرنسکائی کے گاؤں مویزو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اپنے قبیلے کے سردار تھے، وہ بہت خوددار تھے۔ چنانچہ ایک گورے مجسٹریٹ سے کسی بات پر ان بن ہوگئی، تو سرداری جاتی رہی۔ مراعات ختم ہوئیں تو مالی مشکلات بڑھ گئیں۔ 9 سال کی عمر میں نیلسن یتیم ہوگئے۔ اگلے دس سال ان کی تعلیم و تربیت سردار جانگن تابانے کی سرپرستی میں ہوئی۔ وہ اُن کے والد کے دوست تھے۔ نیلسن کا بچپن سادگی میں بسر ہوا۔ وہ فطرت کی گود میں پلے بڑھے۔ خوب صورت سبزہ زاروں میں دوستوں سے کھیلتے پھرتے، اور شام کو گھر آتے تو انھیں ان کے قبیلے زازا کے جنگی قصے سنائے جاتے اور ماں انھیں اخلاقی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم گاؤں میں پائی۔ جب ان کی عمر سولہ سال ہوئی، تو انھیں کلارک بری کالج میں داخل کرادیا گیا۔ اس کالج میں نہ صرف ملک بھر سے طلبہ پڑھنے آتے، بلکہ سوازی لینڈ اور بچوانا لینڈ کے طلبہ بھی یہیں داخل ہوکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہوسٹل میں سب مل کر خوش باش رہتے۔ دوسرے طلبہ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا اور سماجی تربیت بھی۔ نیلسن کی نظر میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور یہیں ان کا ذہنی افق وسیع ہوا۔ اسی کالج میں کچھ سفید فام طلبہ بھی پڑھتے تھے۔ بعض اوقات کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہوجاتا، جس سے نسلی تعصب کو ہوا ملتی۔ نیلسن کے شعور میں یہ بات بیٹھ گئی تھی، کہ کالے افریقیوں کو سفید فاموں کے مقابلے میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔

1937ء میں نیلسن منڈیلا مزید تعلیم کے لیے ہیلڈ ٹاؤن کے ویزلیان کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں تعلیم کا نظام اور بہتر تھا۔ اب ان

کے ذہن کے دریچے کھلتے جارہے تھے۔ البتہ یہاں زندگی محنت طلب ہوگئی تھی۔ وہ کھیلوں خصوصاً مکے بازی اور دوڑوں میں حصہ لیتے تھے۔ ایک تقریب میں انھیں اپنے قبیلے زازا کے ایک شاعر کردن مخائے کو سننے کا اتفاق ہوا۔ اس نے نیلسن کے ذہن میں آزادی کا بیج بودیا' جو وقت کے ساتھ ساتھ تن آور درخت کا روپ دھار گیا۔

جب نیلسن نے فورٹ ہیر یونیورسٹی کالج میں داخلہ لیا، تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ ادارہ ان کے تصور سے بھی زیادہ اچھا تھا۔ نیلسن اسے کالوں کا آکسفرڈ اور کیمبرج قرار دیتے تھے۔ یہ سیاہ فام افریقیوں کے لیے تعلیم و تربیت کا مرکز تھا۔ اس ادارے کا معاشرتی ماحول مہذب اور دانش ورانہ تھا۔ نیلسن یہاں پروفیسر جاباؤ اور پروفیسر زیڈ۔ کے میتھیوس سے بہت متاثر ہوئے۔ ان دونوں کے خیالات نیلسن نے قبول کیے۔ فورٹ ہیر ہی میں وہ عیسائی انجمن کے رکن بنے۔ وہ کبھی کبھی دیہات میں انجیل پڑھانے جایا کرتے تھے۔ انہیں انجمن طلبہ کا رکن منتخب کیا گیا مگر یہ انتخاب انہیں مہنگا پڑا۔ ایک اصولی مؤقف پر ڈٹ جانے پر انہیں کالج سے نکال دیا گیا۔ انھوں نے بعد میں اپنی کوشش سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔

اس زمانے میں کالے افریقی نسلی تعصبات کا شکار تھے۔ انھیں مناسب روزگار میسر نہ تھا۔ نیلسن کو بھی انہی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک کان میں چوکیداری کی، ایک نجی ادارے میں کلرک اور قاصد بھی رہے۔ یہیں ان کی ملاقات مسٹر گاور سے ہوئی۔ وہ افریقی نیشنل کانگرس کے رکن اور ایک بڑے انقلاب پسند مقرر تھے۔ نیلسن کو انہوں نے سیاسی جدوجہد کی راہ پر لگایا اور وہ افریقی نیشنل کانگرس کے اجلاسوں میں شریک ہونے لگے۔

قانون کی تعلیم کے لیے نیلسن نے وٹ واٹرسرینڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا' تو انہیں نئے نئے تجربات سے گزرنا پڑا۔ یہاں گورے کالے مل کر پڑھتے۔ کبھی کبھی روشن خیالی اور وسعت نظر کے مظاہرے بھی ہوتے، مگر یہاں بھی نسلی تعصبات خاصے تھے۔ کالوں کو برابر کا شہری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں نیلسن منڈیلا کو بہت سے کالوں اور ہندوستانیوں سے ملنے کا موقع بھی ملا۔ دوستی کے رشتے توانا ہوئے' تو یہی دوست آگے چل کر تحریک آزادی کا ہراول دستہ بن گئے۔

جنوبی افریقہ میں سونے کی کانیں تھیں۔ دیگر وسائل بھی وافر مقدار میں تھے' چنانچہ سفید فام افراد نے یہاں اقلیت میں ہونے کے باوجود حکومتیں بنائیں مگر کالوں کو حقوق نہ دیے۔ بہت سے ہندوستانی بھی یہیں آکر آباد ہوگئے۔ ان لوگوں کے ساتھ بھی امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ کالوں اور ہندوستانیوں کے رہائشی علاقے الگ تھے۔ گوروں کی آبادی میں ان کا داخلہ ممنوع تھا۔ ان کی ٹرینیں اور بسیں الگ تھیں، سکول الگ تھے۔ انھیں گوروں کے علاقے سے گزرنے کے لیے اجازت نامہ لینا پڑتا تھا۔ کالوں کو گوروں کے لیے مقرر دروازوں سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ پکی گلیوں میں چل بھی نہیں سکتے تھے، ساحلوں پر نہ جاسکتے تھے۔ اور بے شمار پابندیاں تھیں جن کی خلاف ورزی پر انھیں جرمانہ اور قید کی سزائیں دی جاتی تھیں۔

ان پابندیوں اور ناانصافیوں کے خلاف فضا منظم ہو رہی تھی۔ آزادی، سیاسی اور بنیادی حقوق کے لیے تحریک جڑ پکڑ چکی تھی۔ نیلسن اب پوری طرح سیاست کے میدان میں اتر چکے تھے۔ پہلے دس سال تو انھیں پابندیوں اور گرفتاریوں کا سامنا رہا۔ انھیں کئی سال زیرزمین رہ کر کام کرنا پڑا مگر کب تک؟ آخرکار وہ قانون کے شکنجے میں جکڑے گئے۔ مدتوں مقدمہ زیر سماعت رہا اور 25 جون 1964ء کو انھیں عمر قید سنا کر

جیل بھیج دیا گیا۔

نیلسن منڈیلا قانون دان تھے اور سیاسی رہنما بھی مگر وہ بڑی ناانصافیوں کا شکار ہوئے۔ انھیں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ بہت وزنی ہتھوڑوں سے پتھر کوٹ کر بجری بنانا پڑی، تیرہ سال مسلسل چونے کی بھٹیوں سے چونا نکالنا پڑا۔ جیل ان کے لیے آزمائش کی صلیب بن گئی جس پر انھیں مسلسل آزمایا گیا۔ بچے اور بیوی الگ سے دکھ جھیل رہے تھے۔ ماں فوت ہوگئی تو وہ اس کے آخری دیدار سے بھی محروم رہے۔ 25 سالہ جوان بیٹا فوت ہوا تو وہ اس کی آخری رسومات میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ اس سب کچھ کے باوجود ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ انھوں نے نہ تو آزادی کے حق کا سودا کیا اور نہ عوام کے بنیادی اور پیدائشی حقوق کی قیمت وصول کی۔ ان کی عمر کا 27 سال کا طویل عرصہ قید و بند میں گزر گیا۔ آخر کار فروری 1990ء میں حکومت کو انھیں رہا کرنا پڑا۔ ان کی پارٹی نے انھیں پارٹی کا صدر چن لیا اور انتخابات میں بھاری اکثریت حاصل کر لی۔ راہِ آزادی کا یہ مسافر 1994ء سے 1999ء تک جنوبی افریقہ کا صدر رہا اور اس کے بعد انھوں نے عوامی زندگی سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔ اقتدار چھوڑ کر انھوں نے عظمت کی بلندیوں کی طرف ایک اور مضبوط قدم اُٹھایا۔

نیلسن منڈیلا نے جتنی صعوبتیں اٹھائیں اور جتنے دکھ جھیلے وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ نسلی تعصب کے خاتمے اور اپنی قوم کے حقوق حاصل کرنے کے لیے تھے۔ انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ جیل میں گزارا۔ ان کی قربانیوں کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا اور اب اقوامِ متحدہ نے ہر سال نیلسن منڈیلا کا عالمی دن منانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اعزاز نوبل انعام سے بھی بڑھ کر ہے۔

نیلسن منڈیلا نے آزادی کے لیے جتنے مصائب کا سامنا کیا بیسویں صدی میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ ان کی قربانیوں کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ آزادی کی تحریکوں نے ان کے عزم و حوصلے سے جلا پائی۔ ان کا کردار حقوق کی خاطر لڑنے والوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوا۔ قاعدے اور اصول کے لیے چٹان کی طرح ڈٹ جانا بڑے ہی دل گردے اور حوصلے کی بات ہے۔ نسلی تعصبات شکست کھا گئے اور نیلسن منڈیلا تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہوگئے۔ دنیا بھر میں ان کی تگ و تاز کو سراہا گیا۔ 1993ء میں انھیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ دنیا کی پچاس بین الاقوامی یونیورسٹیوں نے انھیں اعزازی ڈگریاں عطا کیں جن میں پاکستان کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ وہ یونیورسٹی آف نارتھ کے چانسلر بھی رہے۔ حقیقت میں نیلسن منڈیلا دنیا بھر کے آزادی پسند لوگوں کے دلوں کی دھڑکن اور سب کے لیے مثالی نمونہ بن چکے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ نیلسن منڈیلا کو جدو جہد آزادی میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

2۔ ''نیلسن منڈیلا کی زندگی جدو جہد آزادی کی روشن مثال ہے'' تبصرہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ آزادی کے بنیادی تقاضے کیا ہیں؟

2۔ نیلسن منڈیلا کی یتیمی میں پرورش کس نے کی؟

3۔ نیلسن منڈیلا کی زندگی میں کردن مخائے کی کیا اہمیت ہے؟

4۔ مسٹر گاور نے نیلسن کی زندگی میں کیا کردار ادا کیا؟

5۔ سفید فام اور ہندوستانیوں نے جنوبی افریقہ کا رخ کیوں کیا؟

(ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیں۔

1۔ آزادی کی خاطر نیلسن منڈیلا نے .... سال جیل میں گزار دیے

(ا) 17 (ب) 27 (ج) 30 (د) 33

2۔ کلارک بری کالج منڈیلا کے لیے مفید رہا کیونکہ

(ا) اس کے دل میں آزادی کی تڑپ پیدا ہوتی (ب) وسعتِ نظر پیدا ہوگی

(ج) تعصبات کم ہوئے (د) حصول علم کی راہیں کشادہ ہوئیں

3۔ فورٹ ہیر یونیورسٹی کالج کو دیکھ کر منڈیلا کو خوشگوار حیرت ہوتی کیونکہ

(ا) یہ اس کے خوابوں سے زیادہ خوب صورت تھا (ب) اعلیٰ ترین تعلیمی ادارہ تھا

(ج) تہذیب اور دانش یک جا تھے (د) ا، ب، ج

4۔ تعلیم کے دوران میں منڈیلا نے محسوس کیا کہ سفید فام کالوں سے

(ا) تعصب برتتے ہیں (ب) پڑھائی میں آگے ہیں

(ج) خود کو حاکم سمجھتے ہیں (د) زیادہ ذہین ہیں

5۔ نیلسن منڈیلا نے آزادی کے لیے مصائب برداشت کیے لیکن

(ا) آزادی کے حق سے دستبردار نہ ہوئے　　(ب) عوام کے حقوق کی قیمت وصول نہیں کی

(ج) ان کا جذبہ توانا ہوتا گیا　　(د) ا، ب، ج

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پیدائش	سردار جانگن	
آزادی کی تڑپ	13 سال	
چونا	چوکیداری	
سرپرستی	گردن مخائے	
کان	مویزو	
	27 سال	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ نیلسن منڈیلا کی اس آپ بیتی کی روشنی میں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ایک اچھے رہنما کی خوبیاں کیا کیا ہونی چاہئیں۔ ''رہنما کے اوصاف'' کے عنوان سے یہ لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

2۔ اپنے آزادی کے رہنماؤں (قائداعظم، علامہ محمد اقبال، محمد علی جوہر، حسرت موہانی، فاطمہ جناح وغیرہ) کا تصویری البم بنا کر محفوظ کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1۔ "آزادی کے تقاضے اور رہنما" کے موضوع پر ایک تحریری مقابلے کا اہتمام کریں اور اول دوم آنے والے طلبہ کو انعامات دیں۔

❁❁❁

عبدالستار ایدھی -------- چھتنار

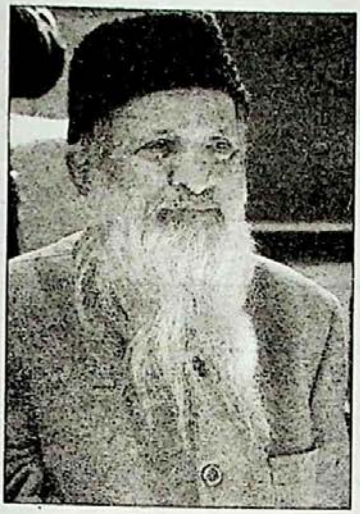

عبدالستار ایدھی

آج سے پون صدی پہلے کی بات ہے۔ جب جوناگڑھ کے ایک نواحی گاؤں منتوا میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ ان کے والد کپڑے کے تاجر تھے۔ وہ ایک متوسط گھرانہ تھا جہاں دولت کی ریل پیل تو نہ تھی، لیکن گزر اوقات اچھی طرح ہو رہی تھی۔ وہ بچہ عام بچوں کی طرح پرورش پا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی پیش گوئی نہ کر سکتا تھا کہ بڑا ہو کر یہ بچہ عالمگیر شہرت حاصل کرے گا۔ البتہ اس کی تربیت میں ایک بات معمول سے ہٹ کر ہوئی۔ وہ بچہ جب صبح سکول جاتا، تو ماں روزانہ اسے دو پیسے دیتی، ایک اپنے لیے اور دوسرا کسی غریب بچے کے لیے۔ وہ سادہ سی دیہاتی عورت تھی جو بچوں کی نشوونما اور تربیت کے نفسیاتی گر تو نہیں جانتی تھی، لیکن اس کے درد مند جذبے نے بچے کے دل میں خدمتِ خلق کا جو بیج بو دیا، وہ آج ایک تن آور چھتنار بن چکا ہے۔ جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں زمانے کی کڑی دھوپ کے ستائے لوگ سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ خدمتِ خلق کی دنیا کی اس طلسمی شخصیت (LEGEND) کا نام عبدالستار ایدھی ہے۔

عبدالستار ایدھی 1928ء میں پیدا ہوئے۔ وہ تعلیم کے میدان میں زیادہ آگے نہ بڑھ سکے۔ قدرت جب کسی فرد سے کام لینا چاہے، تو اسباب بھی پیدا کر دیتی ہے۔ پاکستان کے ایک صدر کی بیٹی ذہنی طور پر معذور تھی۔ باپ کو اُس کی معذوری کے دکھ نے ایک راستہ دکھایا، اور ملک بھر میں معذوروں کی امداد اور دیکھ بھال کے بہت سے ادارے وجود میں آ گئے۔ عمران خان کو کرکٹ کے میدان میں بہت شہرت ملی۔ اس کی والدہ کینسر کی مریضہ تھیں۔ عمران خان کو اپنی والدہ کے دکھ دیکھ کر کینسر کے مریضوں کی خدمت کا خیال آیا اور اس نے عزم و ہمت سے کام لے کر ایک بہت بڑا ہسپتال بنا ڈالا۔ عبدالستار ایدھی کی عمر 11 سال کی تھی کہ ماں کو فالج ہو گیا اور وہ ذہنی طور پر معذور ہو گئیں۔ ماں نے بچے کو خدمتِ خلق کا جو درس دیا تھا، وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ وہ دن رات ماں کی خدمت میں لگا رہتا۔ منہ ہاتھ دھلانا، کھانا کھلانا، صفائی پر توجہ دینا وغیرہ۔ بیماری نے طول پکڑا تو بچے کے ذہن میں خدمت کا جذبہ اور توانا ہو گیا۔ ایدھی نے ماں کی اذیت بھری زندگی کو جتنا قریب سے دیکھا۔ دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے تڑپ اتنی ہی شدت اختیار کرتی گئی۔ اور پھر انھوں نے بے سہارا لوگوں کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر دی۔

عبدالستار ایدھی کی عمر 19 سال تھی جب ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ ملک تقسیم ہوا اور وہ جوناگڑھ سے کراچی آ بسے۔ انھوں نے یہاں کئی ملازمتیں کیں اور کئی کاروبار شروع کیے مگر کہیں بھی ان کا جی نہ لگا۔ آخر کار انھیں حاجی عثمان، عبدالغنی ایدھی اور میاں عبدالستار بوہرا جیسے کچھ اور ساتھی مل گئے اور ان سب نے مل کر "خدمتِ خلق" کمیٹی بنائی۔ ایک ڈسپنسری کھولی جس کے اخراجات تو حاجی عثمان نے برداشت کیے۔ البتہ انتظام و انصرام ایدھی کے ذمے تھا۔ وہ رات کو بھی وہیں فرش پر سو رہتے، تاکہ کوئی مریض مایوس نہ لوٹے۔ کچھ عرصے بعد انھوں نے "مدینہ ٹرسٹ" کے نام سے الگ ٹرسٹ بنا لیا اور بعد میں "عبدالستار ایدھی ٹرسٹ" قائم ہوا۔ ان کے رفاہی کاموں کی وجہ سے لوگوں کا

اعتماد بڑھتا اور کام پھیلتا گیا۔

اب ''ایدھی فاؤنڈیشن'' پاکستان کا سب سے بڑا رفاہی ادارہ ہے۔ اس کی 256 شاخیں خدمت کے لیے چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہیں۔ ان کے پاس 700 سے زائد ایمبولینس ہیں۔ ایئر ایمبولینس میں دو طیارے اور ایک ہیلی کاپٹر بھی میسر ہیں۔ کراچی میں ایمبولینس کنٹرول روم ہے، جسے موبائل وائرلیس نظام سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اطلاعات کا پورا نظام کام کر رہا ہے۔ ملک بھر میں کہیں بھی حادثہ ہو، انھیں فوری اطلاع ملتی ہے۔ پولیس اور دیگر سرکاری ادارے بھی ان سے معلومات اور مدد لیتی ہیں۔ ایدھی کے مختلف رفاہی مراکز میں دو ہزار ملازم کام کرتے ہیں، جن میں 500 خواتین بھی شامل ہیں۔ دیگر بے شمار مرد اور خواتین بلا معاوضہ رضا کارانہ خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

ایدھی کی خدمات کا دائرہ دیگر ممالک تک وسیع ہو چکا ہے۔ دنیا بھر میں کہیں زلزلہ آئے یا طوفان یا کوئی اور قدرتی آفت یا جنگ سے تباہی پھیلے، ایدھی فوراً ضروری امدادی سامان لے کر پہنچتے ہیں۔ اب تک وہ افغانستان، لبنان، بنگلہ دیش، ایتھوپیا، آرمینیا، ایران، کویت، عراق، رومانیہ اور جاپان میں سماجی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ ایدھی انٹرنیشنل کے تحت کئی ایک منصوبے زیر تکمیل ہیں۔ چھ ارب ڈالر کے خرچ سے دوبئی میں ایدھی سنٹر قائم کیا جا رہا ہے، جس سے افریقی ممالک میں خدمات سرانجام دینا آسان ہو جائے گا۔

ایدھی مختلف اقسام کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اگرچہ وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں، لیکن خدمتِ خلق کے میدان میں ان کا تجربہ اور ان کی صلاحیت (VISION) بہت وسیع ہے۔ وہ ایسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، جن کے بارے میں عام آدمی کچھ بھی نہیں جانتا۔ اسی طرح ان کے مستقبل کے منصوبے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسانوں کے دکھوں کی فہرست کتنی طویل اور ایدھی کی سوچ کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ یتیم اور بے سہارا، گھروں سے بھاگے ہوئے اور ذہنی معذور بچوں کے لیے انھوں نے ''اپنا گھر'' کے نام سے ادارے قائم کیے ہیں۔ انھیں فرصت میسر آئے تو وہاں جا کر بچوں سے پیار کرتے ہیں۔ بچے بھی انھیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ سب انھیں ''نانا جی'' کہتے ہیں۔ کینسر ریسرچ ہسپتال اور انٹرنیشنل کمیونٹی سنٹر بھی قائم کیے ہیں۔ انھوں نے بیمار، زخمی اور لنگڑے جانوروں کے لیے مراکز بھی قائم کیے ہیں۔

ایدھی جہاں موجودہ منصوبوں کو توسیع دینا چاہتے ہیں وہاں ان کے کچھ خواب بھی ہیں۔ وہ صدقِ دل سے چاہتے ہیں کہ کوئی غریب، غریب نہ رہے اور ہر دکھی انسان سکھی ہو جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ لاچار لوگوں کے لیے گھر بنائے جائیں، نشہ کرنے والوں کے علاج کے لیے مراکز کا قیام، کمیونٹی سنٹر اور مزید ہسپتال کھولنا ان کے منصوبوں کا حصہ ہیں۔ ایک بڑا منصوبہ یہ بھی ہے کہ ایدھی پبلک کچن بنائے جائیں جہاں غریبوں کو مفت کھانا مل سکے۔ وہ پس ماندہ علاقوں خصوصاً بلوچستان اور چولستان میں خدمت کے لیے دیہی مراکز بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ایدھی کی بیوی بلقیس ایدھی ایک فری میٹرنٹی ہوم چلاتی ہیں اور بے سہارا بچے اپناتی ہیں۔ ایدھی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ انھوں نے اپنے گھر کے اخراجات کے لیے الگ سے بندوبست کیا ہوا ہے اور وہ فاؤنڈیشن کا کوئی پیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتے اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ عام طور پر ملیشیا کے کپڑے اور چپل میں ملبوس ہوتے ہیں۔ صبح سویرے چار پانچ بجے اٹھتے ہیں۔ اپنی صبح کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے کرتے ہیں اور وہ زندہ رہنے کے لیے کم سے کم خوراک کھاتے ہیں۔

ان کی عمر 80 سال ہو چکی ہے۔ وہ صلہ و ستائش سے بے نیاز ہمہ وقت سماجی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ دنیا بھر میں ان کی

خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔لوگ انھیں رحمت کا فرشتہ (Angel of Mercy) کہتے ہیں۔ان کا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں درج ہے۔خدمتِ خلق کے حوالے سے ان کو عظیم انسان قرار دیا گیا ہے۔معمولی پڑھا لکھا بوڑھا اتنا بڑا کام سرانجام دے رہا ہے کہ شاید کئی ادارے مل کر بھی ایسا کام سرانجام نہ دے سکیں۔فلپائن نے انھیں سب سے بڑا سول اعزاز دیا ہے۔روس اور کئی دیگر ممالک نے ان کی خدمات کے صلے میں انھیں اعزازات دیے۔حکومتِ پاکستان نے بھی نشانِ امتیاز دیا۔2007ء میں ان کا نام نوبل انعام کے لیے بھی تجویز کیا گیا تھا۔نوجوان نسل کے لیے ان کا پیغام ہے "انسان بنو، انسان بناؤ اور انسانیت کی خدمت کرو"۔ایدھی بلاشبہ ایک عظیم انسان ہیں۔ان کی زندگی انسانی خدمت سے عبارت ہے۔وہ مذہب وملت کے افراد کی خدمت کرنا عبادت قرار دیتے ہیں اور حقیقی معنوں میں چھتنار ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیے۔

1۔ عبدالستار ایدھی کی سماجی خدمات پر نوٹ لکھیں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ عبدالستار ایدھی کی تربیت کا نمایاں پہلو کیا ہے؟

2۔ ایدھی کے ذہن میں سماجی خدمات کا جذبہ پروان چڑھانے میں کس کا کردار زیادہ اہم ہے؟

3۔ ایدھی نے خدمتِ خلق کی ابتدا کیسے کی؟

4۔ ایدھی کو خدمتِ خلق کے میدان میں کیا امتیاز حاصل ہے؟

5۔ فرصت کے اوقات میں ایدھی کیا کرتے ہیں؟

6۔ ایدھی نے نوجوان نسل کے لیے کیا پیغام دیا ہے؟

(ج) درست جواب کو نشان (✓) لگائیں۔

1۔ عبدالستار ایدھی کے دل میں خدمتِ خلق کا بیج .... نے بویا۔

(ا) ابتدائی سکول کے اساتذہ   (ب) ماں کی محبت اور تربیت

(ج) دردمندوں کے تقاضے   (د) ا، ب، ج

2۔ ایدھی کے ذہن کو خدمتِ خلق کے لیے یکسو کیا۔

(ا) اس ایک پیسے نے جو ماں نے اسے بچپن میں دوسروں کے لیے دیتی   (ب) ماں کی معذوری

(ج) لوگوں کے دکھوں   (د) غربت کے احساس

3۔ ایدھی فاؤنڈیشن کے خدمات کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

(ا) ایمبولینس بیڑا   (ب) اطلاعاتی نظام   (ج) ہسپتال   (د) لنگر

4۔ ایدھی کو سب سے بڑا سول اعزاز..................نے دیا

(ا) امریکہ (ب) برطانیہ (ج) فلپائن (د) جاپان

5۔ ایدھی کی خدمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ان میں..................کی وجہ سے ہے۔

(ا)تعلیم (ب)زرومال (ج)جذبہ خدمت خلق (د)دکھی انسانوں کے لیے دردِ دل

(د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ عبدالستار ایدھی ایک..................گھرانے میں پیدا ہوئے۔

2۔ عبدالستار ایدھی کی والدہ کو..................ہو گیا۔

3۔ ان کے پاس..................سے زائد ایمبولینس پر مشتمل بیڑا ہے۔

4۔ ان کی بیگم ایک فری..................چلاتی ہیں۔

5۔ ایدھی کا نام..................میں نوبل پرائز کے لیے نامزد کیا گیا۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ ہر بچہ کھڑے ہو کر سکاؤٹوں کی طرح اپنی آن پر وعدہ کرے کہ وہ ہر روز ایک کام دوسروں کی خدمت کے لیے کرے گا پھر اس آن پر قائم رہے۔

2۔ ایک ڈائری بنائیں جس پر ہر روز سونے سے قبل درج کریں کہ آج آپ نے دوسروں کے سکھ کے لیے کیا کیا۔ یہ بات آپ کا دل مسرتوں سے بھر دے گی۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1۔ طلبہ کو ایسی کہانیاں سنائیں جس سے ان کے دل میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہو۔

2۔ ایدھی کی اپیل پر آپ اور دیگر طلبہ عطیات اکٹھے کر کے جمع کرائیں۔

مدر ٹریسا---------مادرِ مہرباں

مدر ٹریسا

وہ امن اور محبت کی پیام بر تھیں۔ قدرت نے انھیں دردِ دل اور خدمتِ خلق کے جذبے سے نوازا تھا۔ چنانچہ ان کی ساری عمر ناداروں، مریضوں اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے بے سہارا افراد کے لیے وقف رہی۔ خاص طور پر کوڑھی اور جذامی افراد کے لیے، جن کی خدمت کرنا' تو ایک طرف، لوگ ان کے قریب جاتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ وہ ان کے لیے سراپا شفقت رہیں۔ مدر ٹریسا نے ان کے لیے الگ بستی بسائی اور ان کو ہر طرح سے مدد دی۔ ساٹھ سال تک ان لاچاروں اور ناداروں کی خدمت کرنے کے بعد وہ خود بیمار رہنے لگیں۔ انھیں 1979ء میں نوبل انعام سے نوازا گیا، مگر اُن کا اصل انعام لاکھوں انسانوں کا وہ احساسِ تشکر تھا' جس کا اظہار ان کے دنیا سے رخصت ہونے پر غریب لوگوں نے کیا۔ وہ ہندوستان کے نادار افراد کے لیے ہمدردی کا نمونہ تھیں اور ان کا نام ہی ہمدردی، شفقت اور مدد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

مدر ٹریسا 26 اگست 1910ء کو مقدونیہ کے شہر سکوپجی میں پیدا ہوئیں۔ یہ شہر ان دنوں سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ تھا۔ بعد میں یہ یوگوسلاویہ کے صوبے مقدونیہ کا صدر مقام بھی رہا۔ ان کے خاندان کا تعلق البانیہ سے تھا اور ان کے والد پنساری تھے۔ یہ خاندان 1928ء میں آئرلینڈ جا بسا۔ مدر ٹریسا نے وہیں ورجن میری انسٹی ٹیوٹ میں مذہبیات اور نرسنگ کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے بارہ سال کی عمر میں راہبہ بننے کا فیصلہ کر لیا۔ جب ان کی عمر 18 سال ہوئی تو وہ لیڈی لوریٹو کی راہبات کے نظام میں شامل ہوگئیں۔ ڈبلن میں چند ماہ تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ ہندوستان چلی گئیں' اور ہندوستان کے صحت افزا مقام دارجلنگ کے مشن میں شامل ہوگئیں۔ انھوں نے 24 مئی 1931ء کو راہبہ کا حلف اٹھایا۔ وہ 1931ء سے 1946ء تک سینٹ میری ہائی سکول کولکتہ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتی رہیں۔

مدر ٹریسا جن دنوں کولکتہ میں شعبہ تعلیم سے وابستہ تھیں، تو انھیں ایسے لگا جیسے ان کے اندر سے آواز آرہی ہے کہ ''سکول کو چھوڑو، غریبوں میں رہو اور ان کی خدمت کرو، وہ گلیوں میں مر رہے ہیں''۔ انھوں نے دل کی آواز پر لبیک کہا۔ راہبہ ہونے کے ناطے انھیں اپنے نظام سے اجازت لینا تھی۔ چنانچہ 1948ء میں انھیں پوپ کی طرف سے ایک خودمختار راہبہ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ اسی سال انھوں نے ''مشنری آف چیریٹی'' کے نام سے ادارہ قائم کر لیا۔ ابھی ان کے پاس مالی وسائل نہیں تھے اس لیے کھلے آسمان تلے انھوں نے غریب بچوں کو تعلیم دینا شروع کر دی۔

شہر کی تاریک گلیوں میں اتر کر اور غریبوں میں رہ کر انھوں نے مشنری جذبے سے کام کیا۔ بلدیہ کولکتہ کے کارپردازان نے انھیں ایک ہوسٹل دے دیا۔ مالی وسائل بھی حاصل ہونے لگے اور کچھ مخلص کارکن بھی میسر آ گئے۔ انھیں ہندوستان کی شہریت بھی دی گئی۔ پوپ کی اجازت سے انھوں نے ایک محتاج خانہ بھی قائم کر لیا۔ یہاں ایسے لوگوں کی دیکھ بھال کی جاتی جن کا دنیا میں دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔

مدر ٹریسا نے ہندوستان میں غریبوں اور بے سہارا انسانوں کو جینے کا سلیقہ اور حوصلہ دیا۔ انھوں نے اندھوں کی مدد کے لیے سنٹر کھولے، بوڑھوں کے لیے الگ مراکز قائم کیے۔ معذوروں اور دیگر مریضوں کے علاج اور فوری مدد کے لیے ڈسپنسریاں اور ہسپتال بنوائے۔ 1970ء میں کولکتہ میں ساٹھ مراکز قائم تھے اور ایک ہزار راہبات ان میں کام کر رہی تھیں۔ بعد میں ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی تعداد بڑھ کر 54 اور 213 ہوگئی۔ مدر ٹریسا نے ایک اور منفرد کام کیا کہ جذامیوں کے لیے الگ سے شانتی نگر بستی قائم کر دی۔ یتیم خانے اس کے علاوہ تھے۔ جو مادر مہربان کی نگرانی میں سرگرمِ عمل تھے۔

ہندوستان میں ان کے کام کو استحکام ملا، تو انھوں نے اپنے رفاہی کام کا دائرہ دوسرے ممالک تک وسیع کر دیا۔ پوپ کی اجازت سے مشنریز آف چیریٹی کے حوالے سے وہ بین الاقوامی مذہبی خاندان کا حصہ بن گئیں۔ اب یہ کام بڑھتا گیا' اور ان کی تنظیم ایک بین الاقوامی تنظیم بن گئی۔ 1979ء میں اس کی شاخیں مشرقی یورپ، افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک میں قائم ہوگئیں اور قدرتی آفات، وبائی امراض، ایڈز کے مریضوں اور شرابیوں کی مدد اور علاج کے لیے وہ سرگرمِ عمل رہیں۔ 1990ء میں دنیا کے چالیس ممالک میں نوے لاکھ افراد مدر ٹریسا کے قائم کردہ اداروں میں کام کر رہے تھے۔ اب وہ خود بیمار رہنے لگیں' اس لیے اپنے مشن سے مستعفی ہوگئیں' اور وہ 5 ستمبر 1997ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

مدر ٹریسا نے مفلس اور بے سہارا لوگوں کے لیے مختلف اقسام کی خدمات سرانجام دیں۔ دنیا بھر میں ان کو سراہا گیا۔ انھیں 1979ء میں سماجی خدمات کا ''نوبل انعام'' دیا گیا۔ حکومت ہند نے انھیں سول اعزاز پدم شری اور نہرو ایوارڈ دیا۔ پوپ پال نے امن انعام اور فلپائن نے انھیں سب سے بڑے سماجی اعزاز سے نوازا۔ انھیں اس کے علاوہ بھی بہت سے ملکوں نے اعزازات عطا کیے۔ ان کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ بہت بڑی تعداد میں غریبوں، بیماروں اور دکھی انسانوں نے انھیں گہرے دکھ اور احساسِ تشکر کے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ روانہ کیا۔ ان کا نعرہ تھا ''غریبوں کو معلوم ہو کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں''۔ اور ''غربت کا خاتمہ باہمی اشتراک سے ہی ممکن ہے''۔

مدر ٹریسا مسیحی راہبہ تھیں۔ انھوں نے پوپ سے اجازت لے کر سماجی اور فلاح و بہبود کے کام کیے۔ مسیحی مذہب میں عوامی خدمات عموماً مرد انجام دیتے ہیں۔ جبکہ مدر ٹریسا نے خاتون ہوتے ہوئے بے سہارا انسانوں کو مضبوط سہارا فراہم کیا۔ ان کی انسانی خدمت کی لگن اور جذبے سے متاثر ہو کر پوپ نے بھی انہیں عوامی فلاح و بہبود کے کام کرنے کی اجازت دی۔ ان سب باتوں سے سبق ملتا ہے۔ کہ انسانوں کی خدمت ایک عظیم کام ہے جس کا صلہ خدائے بزرگ و برتر سے ملتا ہے اور جس سے انسانیت کا بھلا ہوتا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

i۔ مدر ٹریسا کی خدمات کا احاطہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ مدر ٹریسا کہاں پیدا ہوئیں؟

2۔ کولکتہ میں وہ کس سکول سے وابستہ رہیں؟

3۔ مدر ٹریسا نے کوڑھی اور جذامیوں کے لیے کیا خاص خدمت سرانجام دیں؟

4۔ اپنا الگ نظام قائم کرنے کے لیے انھیں کس سے اجازت لینا پڑی؟

5۔ مدر ٹریسا کے قائم کردہ ادارے کا نام کیا تھا؟

(ج) درج ذیل سوالوں کے درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

1۔ مدر ٹریسا نے ایک بستی شانتی نگر.......................... کے لیے بسائی۔

(الف) یتیموں (ب) اندھوں (ج) جذامیوں (د) معذوروں

2۔ مدر ٹریسا نے ہندوستان آ کر کس مقام پر مشن میں شامل ہوئیں۔

(الف) شملہ (ب) دارجلنگ (ج) مسوری (د) کولکتہ

3۔ مدر ٹریسا نے ہندوستان میں راہبہ کا حلف اٹھایا۔

(الف) 1928ء (ب) 1931ء (ج) 1934ء (د) 1936ء

4۔ مدر ٹریسا کو نوبل انعام.......................... میں ملا۔

(الف) 1979ء (ب) 1989ء (ج) 1999ء (د) 2006ء

5۔ 1990ء میں ان کا کام.......................... ممالک میں پھیل چکا تھا۔

(الف) 40 (ب) 45 (ج) 50 (د) 60

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لکھیں۔

1۔ مدر ٹریسا اٹلی میں تربیت کے بعد ہندوستان چلی آئیں۔

2۔ مدر ٹریسا نے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تدریس کا شعبہ چھوڑ دیا۔

3۔ 1990ء میں ان کے مشن سے وابستہ افراد کی تعداد 90 ہزار تھی۔

4۔ غریب لوگوں کا اظہار تشکر ان کے لیے نوبل انعام سے بڑا اعزاز تھا۔

5۔ 1948ء میں پوپ نے انھیں خودمختار راہبہ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دے دی۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ آپ کو مدر ٹریسا کی کون سی بات اچھی لگی؟ ہر ایک طالب علم نوٹ کرے۔ پھر سب طلبہ کی پسند کی فہرست بنائیں اور ان اچھی باتوں کو ترتیب دے کر ایک چارٹ بنائیں۔

2۔ ہر طالب علم خدمت خلق کی اہمیت پر ایک صفحے کا نوٹ لکھے۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ خدمت خلق کا مذہب سے گہرا تعلق ہے۔

2۔ طلبہ سے اپنے شہر کے کسی ایسے معروف کارکن کے حالات دریافت کریں جو خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتا ہو۔

❁❁❁

ڈاکٹر محمد یونس------بیماریِ غربت کا مسیحا

ڈاکٹر محمد یونس

غربت، بیماری، جہالت اور بھوک تیسری دنیا کے بڑے بڑے روگ ہیں، جنھیں دیکھ کر ہر حساس دل تڑپ اٹھتا ہے۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ احساس اور دردِ دل ہی انسانیت کا بہترین جوہر ہے۔ بعض اوقات یہی احساس کسی نہ کسی صاحبِ دل کو ایسی تحریک دیتا ہے کہ وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور اپنے فکر و عمل سے لاکھوں انسانوں کے دکھوں کا مداوا کر دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ جنوب مشرقی ایشیا کے ایک پس ماندہ اور ترقی پذیر ملک میں پیش آیا۔ معاشیات کے ایک استاد دن بھر یونیورسٹی میں پڑھاتے اور شام کو قریبی دیہات میں نکل جاتے۔ وہ غریب لوگوں کو مزدوری کرتے دیکھتے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ مزدور خواتین کی دن بھر کی مزدوری صرف دو مٹھی چاول ہیں، اور یہ سب افراد قرض کے آہنی شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں، تو ان کا دل پسیج گیا۔ انھیں بخوبی معلوم تھا کہ کسی فرد یا ملک کی کمزور معیشت انھیں گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ ان غربت کے مارے انسانوں کو قرض سے نجات دلائیں گے۔ انھوں نے منصوبہ بنایا اور فوراً عمل بھی شروع کر دیا۔ چند سالوں میں انھوں نے کایا پلٹ دی۔ اس دردمند انسان کا نام ڈاکٹر محمد یونس ہے۔ ان کی سماجی خدمات کے اعتراف میں انھیں 2006 میں نوبل انعام دیا گیا۔

محمد یونس 28 جون 1940ء کو چٹا گانگ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک صرّاف تھے۔ انھوں نے اعلیٰ ثانوی درجہ تک تعلیم چٹا گانگ میں حاصل کی۔ بی اے اور ایم اے معاشیات کے امتحانات ڈھاکہ یونی ورسٹی سے پاس کیے، اور وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ کچھ عرصہ کولمبو یونی ورسٹی سری لنکا میں معاشیات کے استاد رہے۔ بعد ازاں وہ چٹا گانگ یونی ورسٹی میں معاشیات کے استاد مقرر ہوئے۔

ڈاکٹر محمد یونس عام لوگوں کی حالت سے آگاہ تھے، مگر اس غربت کی وجوہات جاننے اور ذاتی مشاہدے کے لیے وہ یونی ورسٹی کے نواحی گاؤں جوبرا چلے گئے۔ وہاں انھوں نے ایک مزدور بُڑھیا کا انٹرویو کیا اور گلی کے دیگر لوگوں کے حالات کا جائزہ لیا۔ انھیں معلوم ہوا کہ وہ لوگ 10% سود ہفتہ کی بنیاد پر قرض لیتے ہیں اور مال تیار کرتے ہیں۔ ساہوکار آ کر مال لے جاتا ہے اور انھیں دن بھر کی مزدوری دو مٹھی چاول دے جاتا ہے۔ یہ سب کارکن بری طرح استحصال کا شکار ہو رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ 42 گھرانوں کو قرض سے نجات دلانے کے لیے صرف 27 ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ انھوں نے اپنی جیب سے 27 ڈالر دے کر ان افراد کو قرض سے نجات دلا دی۔ یہیں سے ان کے ذہن میں ''گرامین بنک'' قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

ڈاکٹر محمد یونس نے حالات کا تجزیہ کیا۔ اس معاشرے میں کارکن خواتین کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ ان کا یقین ہے کہ مالی معاملات میں خواتین زیادہ ذمہ دار ہوتی ہیں۔ وہ مردوں کے مقابلے میں صرف دو فیصد نادہندہ ہوتی ہیں اور قرض کے معاملے میں ان پر زیادہ اعتماد کیا جا

سکتا ہے۔ انھوں نے پہلے ذاتی ضمانت پر گاؤں کی کارکن خواتین کو تین سو ڈالر کا قرض لے کر دیا۔ خواتین نے یہ بلاسود قرض آسان قسطوں میں واپس کر دیا۔ تب ان کا اعتماد یقین میں بدل گیا۔ چنانچہ انھوں نے گرامین (دیہی) بنک کھول دیا۔

دسمبر 1976ء میں اس بنک کا افتتاح ہوا اور پھر یہ مسلسل ترقی کرتا گیا۔ حکومت کی توجہ ہوئی تو حکومتی امداد بھی ملنی شروع ہوگئی۔ 1983ء میں اس بنک کو باقاعدہ بنک کی شکل حاصل ہوئی۔ چونکہ یہ دیہی بنک ہے اور دیہاتیوں کو بلاضمانت قرضے دیتا ہے۔ اس لیے اس کی زیادہ پیش رفت اور ترقی دیہات ہی میں ہے۔ 2006ء کے آتے آتے اس بنک کی 2226 شاخیں قائم ہو چکی تھیں اور اکہتر ہزار سے زائد دیہات ساہو کاروں کے چُنگل سے آزاد ہو چکے تھے۔ اس بنک سے قرض لینے والی 96 فیصد خواتین ہیں اور قرض چکانے کی شرح 98 فیصد ہے۔

ڈاکٹر محمد یونس نے جو طرح ڈالی، وہ قابلِ رشک ثابت ہوئی چنانچہ بنگلہ دیش کے علاوہ دنیا کے دیگر 45 ممالک میں اسی طرز پر بنک کھولے گئے ہیں اور ان سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد دس کروڑ سے زائد ہوگئی ہے۔ بنگلہ دیش میں قرض خواہوں کی سماجی حالت کافی بدل گئی ہے۔ اب سب کو پختہ چھت کے گھر میسر ہیں۔ انھیں بیمہ، صحت کی سہولت بھی حاصل ہے اور ان سب کے بچے سکول جاتے ہیں۔

گرامین بنک نے ایک اور پیش قدمی کی ہے۔ اس نے 45 ہزار بھکاریوں میں سے، ہر ایک کو 100 ٹکے قرض دیئے۔ ان میں سے ہر ایک ہر ہفتے دو ٹکے بنک کی قسط ادا کرتا ہے۔ اس طرح وہ افراد بھیک مانگنا چھوڑ کر کام کرنے لگے ہیں اور وہ ملک کے مفید شہری بن چکے ہیں۔ بنک نے گرامین فون اور گرامین ٹیلی کام کمپنیاں بھی قائم کی ہیں اور ایک لاکھ 39 ہزار خواتین کو دیہات میں عوامی فون گھر (PCO) کھول کر دیے ہیں۔ اب بنک ایک اور پیش رفت کرنے کا منصوبہ رکھتا ہے کہ وہ غریب لوگوں کو پکّی گھر بنا کر دے۔ امید ہے کہ اس منصوبے سے مستقبل میں مزید لاکھوں انسانوں کی تقدیر بدل جائے گی۔

ڈاکٹر محمد یونس کو اس گرامین بنک کی وجہ سے بے پناہ شہرت حاصل ہوئی اور ان کی عزت و وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ دنیا بھر میں ان کے منصوبوں کی نہ صرف تعریف کی گئی، بلکہ انھیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ اب تک انھیں اپنے ملک اور دیگر ممالک سے 60 سے زائد اعزازات دیے جا چکے ہیں، جن میں 2006ء میں ملنے والا نوبل انعام بھی شامل ہے۔ صدارتی اعزازات کے علاوہ فلپائن کا سب سے بڑا سماجی اعزاز ''رامن میگلے'' بھی انہیں مل چکا ہے۔ اس کے علاوہ انھیں 26 اعزازی پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی دی جا چکی ہیں۔ وہ بے شمار کمپنیوں کے رکن بھی ہیں۔ اس ساری عزت افزائی کے باوجود، ان کے لیے سب سے بڑا انعام ان خواتین کے تشکر کے جذبات ہیں، جنھیں قرض کے پھندوں سے نجات اور جینے کا سلیقہ نصیب ہوا۔ ڈاکٹر محمد یونس انھی لوگوں کی دعاؤں سے اپنی بیگم اور اپنی بیٹی کے ہمراہ خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد یونس کی سماجی خدمات سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسان کچھ کر گزرنے کا مصمم ارادہ کر لے، منصوبہ بندی اور غور و فکر کے بعد عملی اقدامات کرے، تو وہ بنی نوع انسان کے دکھوں کو کم کر سکتا ہے۔ یہ محض ڈگری کا کمال نہیں کہ ایسی ڈگریاں تو کئی لوگوں کے پاس ہوتی ہیں۔ اصل بات تو دردِ دل کی ہے۔ ان کی شاندار خدمات صرف قابلِ تحسین ہی نہیں، بلکہ لائقِ تقلید بھی ہیں۔

پاکستان نے بھی ڈاکٹر محمد یونس کے تجربات اور منصوبوں سے استفادہ کرتے ہوئے دیہی بہبود کے منصوبے بنائے ہیں۔ چنانچہ چھوٹے کاشتکاروں اور چھوٹے کاروباری اصحاب کو قرضے دیئے جاتے ہیں۔ انہیں آسان اقساط میں وصول کیا جاتا ہے جس سے لاکھوں دیہاتی خاندان فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ ڈاکٹر محمد یونس کی عوامی خدمات سے کیا سبق ملتا ہے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ انسانیت کا اصل جوہر کیا ہے؟

2۔ ڈاکٹر محمد یونس کہاں پیدا ہوئے؟

3۔ ڈاکٹر محمد یونس نے کن دو جامعات میں تعلیم دی؟

4۔ ڈاکٹر محمد یونس نے 42 مزدوروں کا کتنا قرض اپنی جیب سے ادا کیا؟

5۔ خواتین کو قرض دینے کا تجربہ کیوں خوش گوار رہا؟

6۔ ''گرامین بنک'' کی تقلید میں کتنے ممالک نے بنک کھولے؟

(ج) درست جواب کو نشان لگائیں۔

1۔ ڈاکٹر محمد یونس.......................کے استاد تھے۔

(الف) سماجیات (ب) نفسیات (ج) معاشیات (د) حیوانیات

2۔ ڈاکٹر محمد یونس نے جامعہ.......................میں تدریس کی ابتدا کی۔

(الف) چٹاگانگ (ب) کولمبو (ج) ڈھاکہ (د) علی گڑھ

3۔ ڈاکٹر محمد یونس کے مطابق مالی معاملات میں زیادہ ذمہ دار ہیں۔

(الف) عورتیں (ب) مرد (ج) بنک افسران (د) عام آدمی

4۔ ڈاکٹر محمد یونس کے قائم کردہ بنک کا نام.......................ہے۔

(الف) چٹاگانگ بنک (ب) گرامین بنک (ج) نیشنل بنک (د) حبیب بینک

5۔ ڈاکٹر محمد یونس کو نوبل انعام.......................میں دیا گیا۔

(الف) 2006ء (ب) 2007ء (ج) 2008ء (د) 2009ء

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جواب کالم (ج) میں درج کریں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دردمند	ڈھاکہ یونیورسٹی	
نوبل انعام	چٹا گانگ یونیورسٹی	
استاد	1976ء	
ایم اے	2006ء	
گرامین بنک	محمد یونس	
	1940ء	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ ہر طالب علم ڈاکٹر محمد یونس کی خدمات پر انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ایک صفحہ لکھے۔

2۔ انٹرنیٹ سے گرامین بنک اور ڈاکٹر محمد یونس کے بارے میں مزید معلومات جمع کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ سے عوامی خدمت گاروں (سر گنگا رام، گلاب دیوی، دیال سنگھ وغیرہ) کی تصاویر کا البم تیار کرائیں اور کمرۂ جماعت میں نمایاں جگہ پر لٹکائیں۔

2۔ پاکستان کے بڑے بڑے مخیّر حضرات کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں اور طلبہ کو اہم باتیں نوٹ کرنے کو کہیں۔

نجیب محفوظ------عرب دنیا کا ایک عظیم ناول نگار

نجیب محفوظ

ادب زندگی کا حُسن ہے'اوراس کی تہذیب بھی کرتا ہے'اورادب ہی سے مہذب معاشرے وجود میں آتے ہیں۔اسی لیے ہر معاشرے میں ادیبوں کی ضرورت واہمیت کوتسلیم کیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں سیکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں اوران کا دائرہ اثر بھی مختلف ہے۔جن ممالک میں بڑی زبانیں بولی جاتی ہیں۔وہاں چھوٹی زبانوں کا دائرہ اثر محدود ہوتا ہے۔لیکن دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں، جوادب کے وجود سے خالی ہو۔بڑی اور قدیم زبانوں کا ادب وسیع ہوتا ہے اوران کے ادیبوں کی حیثیت بھی مسلمہ ہوتی ہے۔جو اہلِ قلم زندگی کی تہذیب وتعمیر میں زیادہ فعال ہوتے ہیں'قدرت ان پر مہربان ہوتی ہے اوردیگر لوگوں کی نسبت وہ زیادہ باصلاحیت اور ذہین ہوتے ہیں۔وہ عموماً بچپن ہی سے مشق اور مطالعے سے اپنی ان فطری صلاحیتوں کونکھارنے لگتے ہیں۔عربی زبان کے عظیم ادیب نجیب محفوظ کوبھی بچپن ہی سے لکھنے سے عشق ہوگیا تھا۔وہ ابھی تیسری جماعت کے طالب علم تھے کہ ناول پڑھنے لگے۔انھوں نے یہ عادت بنالی کہ وہ جوبھی ناول پڑھتے ،اسے اپنی زبان میں لکھتے ،عنوان کا صفحہ بنا کراس پراپنا نام بطور مصنف لکھتے۔نیز فرضی ناشر کا نام بھی تحریر کردیتے۔اس مشق نے انہیں اتنا کچھ دیا کہ آگے چل کر یہ بچہ عربی زبان کا بہت بڑاناول نگار بنااور 1988ء میں اسے ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

نجیب محفوظ 11 دسمبر 1911ء میں قاہرہ کے محلے الجمالیہ میں پیدا ہوئے۔اپنے چار بھائیوں اور دو بہنوں میں وہ سب سے چھوٹے تھے۔چارسال کی عمر میں انہیں سکول میں داخل کرادیا گیا۔1934ء میں انہوں نے جامعہ فوادالاوّل (اب قاہرہ یونی ورسٹی) سے فلسفے کے ساتھ بی اے کیا۔زمانۂ طالب علمی میں وہ مسلسل لکھتے رہے۔اس زمانے میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین،عباس محمود، العقاد اور سلامہ موسیٰ جیسے جید ادیبوں کا طوطی بولتا تھا۔نجیب بھی فکری اعتبار سے اُن سے متاثر ہوئے۔انگریزی زبان میں دسترس کے لیے انہوں نے اسی دور میں جیمز بیکی (James Baikie) کی کتاب (History of Egypt) کا 'مصرالقدیمہ' کے نام سے عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔پوسٹ گریجویشن کے لیے انہوں نے تحقیقی مقالہ لکھنا چاہا' مگرانہوں نے افسانے لکھنے شروع کردیےاورزندگی بھر کے لیےادب ہی کواپنااوڑھنا بچھونا بنالیا۔

1936ء سے 1939ء تک وہ اپنی مادرِ علمی میں انتظامی عہدے پر کام کرتے رہے۔بعد ازاں انہوں نے وزارتِ اوقاف میں ملازمت شروع کی اور 1954ء تک وہاں رہے۔جس کے بعد وہ وزارتِ ثقافت سے وابستہ ہوگئے اور سبکدوش ہونے تک وہیں کام کرتے رہے۔بچپن میں ماں انہیں کبھی کبھی عجائب گھر لے جاتی۔تاریخ سے ان کی دلچسپی ہمیشہ رہی۔انہوں نے ناولوں کے نام بھی قاہرہ کے مختلف محلوں کے نام پر رکھے ہیں۔1919ء میں مصر میں انقلاب آیا۔انھوں نے جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر اور خاک وخون کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ان پروفدی تحریک کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔وہ گہرا سماجی شعور رکھتے تھے۔یہ سب کچھ اُن کے شعور سے لاشعور میں اتر گیا۔

نجیب محفوظ زیادہ لکھنے والے ادیب تھے لیکن انھوں نے اپنے معیار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔1934ء سے 1939ء تک انھوں نے 80 کے لگ

بھگ افسانے شائع کرائے۔ پھر وقفے وقفے سے ان کے افسانوں کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے۔ انھوں نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد جو افسانے لکھے وہ پانچ مجموعوں میں شائع ہوئے۔ موضوع اور تکنیک کے لحاظ سے یہ افسانے بلند پایہ شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سیاسی رنگ غالب ہے۔ مگر نجیب کا اصل ادبی میدان ناول نگاری ہی ہے۔

ناول سے انھیں بچپن ہی سے دلچسپی تھی۔ انھوں نے تیسری جماعت میں اپنے دوست یحییٰ صقر سے ایک جاسوسی ناول لے کر پڑھا اور پھر یہ تسلسل کبھی نہ ٹوٹا۔ انھوں نے جو ناول لکھے، ان میں تاریخی ناولوں کی طرف رجحان غالب نظر آتا ہے۔ چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد مصر قدیم فرعونی دور پر 35 ناول لکھنے کا پروگرام بنایا، مگر وہ صرف تین ناول لکھ پائے۔ یہ ناول 1939ء، 1943ء اور 1944ء میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد ان کے ذہن پر عصری تقاضے غالب آ گئے۔ اب ان کی ناول نگاری کی رفتار تیز ہو گئی اور تقریباً ہر سال ایک ناول شائع ہونے لگا۔ متوسط اور نچلے محنت کش طبقے کی زندگی کی عکاسی ان کے ناولوں کا امتیازی پہلو تھا۔

1946ء سے 1952ء تک وہ ایک ضخیم ناول لکھ پائے۔ یہ ایک ایسا شاہکار ہے، جو نہ صرف عربی ادب بلکہ اپنے دور کی معاشرتی تاریخ میں اعلیٰ اہمیت کا حامل ہے۔ 1163 صفحات کے اس ناول کو ایک جلد میں شائع کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے یہ تین جلدوں میں تین مختلف ناموں سے شائع ہوا اور ادبی حلقوں میں یہ ناول ''الثلاثیة'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد نجیب محفوظ کی تحریروں میں تعطل کا دور آیا۔ اور سات سال بعد ''**اولاد نا حارتنا**'' 1959ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں بعض پیغمبروں کے علامتی کردار کو تمثیلی انداز میں اس طرح پیش کیا گیا، جو مہذب حلقوں میں نامناسب سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مصر میں اس کی اشاعت پر آج تک پابندی عائد ہے البتہ یہ بیروت سے 1967ء میں شائع ہوا۔ اب ان کی توجہ مسلسل ناول نگاری پر مرکوز رہی۔ 1962ء سے 1988ء تک ان کے مزید 22 ناول منظر عام پر آئے ہیں۔ جولائی 2006ء میں ان کا آخری ناول شائع ہوا۔

نجیب محفوظ کے چالیس ناول، بہت سے افسانے اور ڈرامے شائع ہوئے۔ انھوں نے فلمی دنیا کے لیے بھی ڈرامے تحریر کیے۔ ان کے نصف سے زائد ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے کئی ناولوں کے تراجم انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سویڈش زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ان کے ضخیم ناول کا ترجمہ اسرائیل میں عبرانی زبان میں بھی ہوا۔ نوبل انعام نے ان کو شہرت کی بام عروج پر پہنچایا، لیکن اس سے پہلے عربی زبان کے بڑے بڑے ادیب ان کے ناولوں پر خراج تحسین پیش کر چکے تھے۔ ان میں عرب دنیا کے نامور ادباء ڈاکٹر طٰہٰ حسین، عباس محمود، العقاد اور توفیق الحکیم بھی شامل تھے۔ نجیب نے ان لوگوں کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھا اور نوبل انعام ملنے پر انھیں یاد کرتے ہوئے اپنے سے زیادہ انھیں اس انعام کا حق دار قرار دیا۔

ان کے افکار متنازع بھی رہے۔ اسی وجہ سے انھیں تشدد بھی سہنا پڑا۔ ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی فطرتی صلاحیتوں کا ادراک ہو، اور مسلسل محنت کی جائے، تو ذہانت چھپی نہیں رہتی۔ انھوں نے تیسری جماعت میں لکھنا شروع کیا، جب بمشکل ان کی عمر نو دس سال ہو گی اور 94 سال کی عمر میں فوت ہوئے، موت آنے تک وہ لکھتے ہی رہے۔ ساری عمر لکھتے رہنا بذاتِ خود ایک بڑی عزیمت کی بات ہے۔

انھیں لکھنے سے عشق تھا۔ بچپن سے موت تک انھیں طرح طرح کے حالات کا سامنا رہا لیکن اُن کا قلم کبھی نہ رکا اور موت آنے تک وہ مسلسل لکھتے چلے گئے۔ ایک دفعہ کہنے لگے کہ اگر کسی روز لکھنے کی امنگ مجھ سے چھن جائے، تو میری خواہش ہو گی کہ وہ دن میری زندگی کا

آخری دن ہو۔ 1994ء میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ وہ زخمی ہو گئے ان کی گردن پر چھریوں کے وار کے بعد ان کے داہنے ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بڑھاپے کی کمزوریوں نے انہیں اور نحیف کر دیا تھا۔ وہ السر، گردوں اور دل کے مریض تھے اور نظر بھی کمزور ہو گئی تھی۔ قلم پکڑتے تو صرف چند منٹ لکھ پاتے، مگر لکھتے ہی رہے۔ 31 اگست 2006ء کو ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا اور انھیں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ قاہرہ میں دفن کر دیا گیا۔

نجیب محفوظ اپنی بھرپور ادبی زندگی گزار کر اس دنیا سے سدھار گئے۔ لیکن وہ عربی ناول نگاری اور ڈرامہ نویسی کو اچھوتا اسلوب دے گئے۔ آج انہیں جدید عربی ناول نگاری کا اہم ادیب تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے ناولوں میں محلات کی سیاست کی بجائے معاشرے کے پسے ہوئے افراد کی داستان غم شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں عرب دنیا کے عوام الناس میں نہایت مقبول ہیں اور شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ نجیب محفوظ کے ادبی کارناموں پر ایک مضمون لکھیں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ نجیب محفوظ نے کس عمر میں ناول پڑھنا شروع کیے؟

2۔ نجیب محفوظ کب گریجویٹ ہوئے؟

3۔ نجیب محفوظ کے کس ناول کا عبرانی زبان میں ترجمہ شائع ہوا؟

4۔ نجیب محفوظ کی ادبی تحریروں میں کس صنف کو اہمیت حاصل ہے؟

5۔ نجیب محفوظ کب فوت ہوئے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ نجیب محفوظ ابتدا میں .... سے متاثر تھے۔

(ا) طٰہٰ حسین (ب) العقاد (ج) سلامہ موسیٰ (د) الف، ب، ج

2۔ نجیب محفوظ .... سے سبکدوش ہوئے۔

(ا) جامعہ فواد الاول (ب) محکمہ تعلیم (ج) وزارتِ اوقاف (د) وزارتِ ثقافت

3۔ عرب اسرائیل جنگ (1967ء) کے بعد انھوں نے جو افسانے لکھے وہ .... مجموعوں میں شائع ہوئے۔

(ا) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

4۔ نجیب محفوظ کے ناولوں کا غالب رجحان .... ناولوں کی طرف ہے۔

(ا) معاشرتی (ب) تاریخی (ج) نفسیاتی (د) مثالی

5۔ نجیب کے چالیس ناولوں میں سے آخری..................میں شائع ہوا۔

(ا) 1996ء (ب) 1999ء (ج) 2004ء (د) 2006ء

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پیدائش	الثلاثیۃ	
جامعہ فواد الاول	1919ء	
ضخیم	2006ء	
انقلاب مصر	1934ء	
وفات	الجمالیہ	
	1911ء	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ لائبریری میں جا کر ایک ایک ناول اجرا کرائیں اور چند دن بعد ہر طالب علم ناول کا مختصر تعارف کرائے۔

2۔ پاکستان کے معروف ناول نگاروں کی فہرست مرتب کر کے کمرے میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ پر ادب کی اہمیت واضح کریں۔

2۔ اچھے ناولوں اور افسانوں کے مجموعوں کی ایک فہرست مرتب کر کے طلبہ کے استفادے کے لیے کمرے میں آویزاں کریں۔

جمشید نسروان جی مہتا-------دریادل خدمت گار

جمشید نسروان جی مہتا

انھیں دنیا سے رخصت ہوئے چھپن برس بیت چکے ہیں، لیکن اہل کراچی کے ذہنوں میں ان کی یادیں آج بھی تازہ ہیں۔ کیونکہ وہ جدید کراچی کے بانی تھے اور دنیا اسے کراچی کا بے تاج بادشاہ کہتی تھی۔ وہ اپنے کردار، اخلاق اور بے لوث خدمت کے طفیل لاکھوں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ ارب پتی باپ کا یہ تاجر بیٹا فقیری میں زندگی بسر کرتا رہا لیکن اس دریادل انسان نے عوامی خدمت کے کئی ریکارڈ قائم کیے۔ اس عظیم انسان کا نام جمشید نسروان جی مہتا تھا۔ کراچی کی تاریخ ان کا ذکر کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔

جمشید نسروان جی مہتا 7 جنوری 1886ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ وہ پارسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ خاندان کراچی کا ایک کھاتا پیتا گھرانا تھا، جہاں دولت کی ریل پیل تھی۔ ان کا بچپن خوشگوار رہا۔ تعلیم کراچی ہی میں حاصل کی اور پھر والد صاحب کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگے۔ محنت ان کی عادت اور دیانتداری ان کا شیوہ تھا۔ جلد ہی کاروباری حلقوں میں ان کی ساکھ قائم ہوگئی۔ جہاں ایک طرف تجارت میں 'ان کے نام کا سکہ چلتا' وہاں عوامی حلقوں میں ان کی شہرت ایک غریب پرور اور بے لوث سماجی کارکن کے طور پر پھیل رہی تھی۔

کاروبار کے ساتھ ساتھ انھوں نے سیاست میں بھی دلچسپی لینا شروع کی۔ اس زمانے میں سیاست کا رنگ آج کے دور سے بالکل مختلف تھا۔ لوگوں کے مجبور کرنے پر وہ اس خاردار میدان میں اترے اور 1918ء میں پہلی دفعہ بلدیہ کے کونسلر منتخب ہوئے اور جلد ہی انھیں بلدیہ کا صدر چن لیا گیا۔ اگلی کئی دہائیوں تک وہ مقامی سیاست کے افق پر چھائے رہے اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب ان کا نام یا تصویر اخباروں کی زینت نہ بنی ہو۔ وہ بارہ سال تک مسلسل بلدیہ کے صدر رہے۔

آج کراچی کا شمار دنیا کے چند بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ اُس کی آبادی کئی ملکوں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ اور اقتصادی طور پر اسے پاکستان کا دل کہا جاتا ہے۔ انھوں نے کراچی کو ایک جدید شہر بنا دیا۔ ان کے دور میں کراچی کی کشادہ سڑکیں ہر رات کو دھوئی جاتی تھیں۔ انہوں نے شہر میں خوب صورت پارک اور شجر ہائے سایہ دار لگوائے تھے۔ سکول، ہسپتال، لائبریریاں قائم ہوئیں حتیٰ کہ جانوروں کی خدمت کے مراکز بھی قائم کیے۔ کراچی کو اعلیٰ بلدیہ (METROPOLITON CORPORATION) کا درجہ انہیں کے عہد میں دیا گیا' اور وہ 1933-1934 میں اس کے پہلے رئیس بلدیہ بھی رہے۔

اپنی منفرد شخصیت اور خدمات کی وجہ سے سندھ بھر میں انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ وہ ہر سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریک میں پیش پیش رہتے۔ ہر تحریک میں ان کا نام کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا۔ وہ "مقامی حکومت" (HOME ROLE) تحریک میں نمایاں کردار ادا کر چکے تھے۔ انھیں ہند کے بڑے رہنماؤں کے ساتھ بھی کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ انہوں نے 1930ء میں ہاری کمیٹی کے قیام میں بھرپور حصہ لیا

اور انہیں مزدوروں کی انجمنیں بنانے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ضلع دادو کے لوگوں نے 1937ء میں ان کو سندھ اسمبلی کے لیے نمائندہ بنانا چاہا۔ چنانچہ وہ جہاں بھی جاتے ہزاروں لوگ انہیں دیکھنے کو امڈ آتے۔ لوگ ان کی شکل سے کم اور کام اور نام سے زیادہ واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے چاروں مخالف امیدواروں کے مجموعی ووٹوں سے بھی زیادہ ووٹ حاصل کیے۔ اور وہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ دو سال بعد جب انھیں احساس ہوا کہ اوروں کی سازشوں کی وجہ سے اسمبلی کا کاروبار ٹھیک طریقے سے نہیں چل سکتا' تو وہ اسمبلی سے مستعفی ہو گئے۔

جمشید جی ایک با اصول انسان تھے۔ انھوں نے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہ کیا۔ جب انھیں احساس ہوا کہ شراب اور سپرٹ انسان کے لیے ہر طرح سے ضرر رساں ہیں، تو انھوں نے نہ صرف خود ان نشہ آور اشیاء کا استعمال ترک کر دیا' بلکہ دوسروں کو بھی ان سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ یہ ان کے کاروبار کا ایک حصہ بھی تھا، چنانچہ ایجنسیاں بند ہونے لگیں اور مالی طور پر انہیں کافی نقصان ہونے لگا۔ جمشید جی نے باپ کے اس کاروبار سے منافع لینا بھی بند کر دیا۔ ان کے والد پر دباؤ بڑھا کہ بیٹے کو سمجھائیں مگر صرف منافع کے لیے ان کے والد نے بیٹے کے اصول اور ضمیر کی آواز پر آنچ نہ آنے دی اور سارا نقصان بخوشی برداشت کر لیا۔

یہ ان کے کردار کی عظمت ہی تھی کہ عوام نے ہمیشہ ان پر اعتماد کیا۔ ایک دفعہ سنٹرل بنک آف انڈیا کے بارے میں افواہ پھیل گئی کہ بنک دیوالیہ ہو رہا ہے۔ لوگوں نے دھڑا دھڑ رقوم نکلوانا شروع کر دیں۔ وہ بنک میں گئے، صورت حال معلوم کی، باہر آ کر انھوں نے کرسی پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ بنک کی مالی حالت مضبوط ہے۔ میں آپ لوگوں کی رقوم کی ضمانت دیتا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ قطاروں میں کھڑے لوگ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ انھوں نے سیاست میں بھی کبھی غلط وعدہ نہیں کیا تھا' اس لیے ان پر لوگ بے انتہا اعتماد کرتے تھے۔

ایک انگریز خاتون مسز اینی بسنٹ نے برعظیم کی تحریک آزادی میں حصہ لیا، گرفتار بھی ہوئیں۔ "مقامی حکومت" کی تحریک میں بھی سرگرم رہیں۔ وہ بلا کی مقررہ تھیں۔ وہ تھیوسوفیکل سوسائٹی کی صدر بھی تھیں۔ جمشید جی ان کی ایک تقریر سن کر بے پناہ متاثر ہوئے۔ وہ تھیوسوفیکل سوسائٹی کے رکن بن گئے۔ یہ سوسائٹی غریب بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتی تھی۔ ان دنوں 2000 طلبہ کی تعلیم کا ذمہ سوسائٹی نے اپنے سر لے رکھا تھا۔ جمشید جی نے اس دور میں 60 لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ اس کے علاوہ وہ ہریجنوں، جذامیوں اور جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے بھی دل کھول کر چندہ دیا کرتے تھے۔ مہتا جی نے کراچی میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی شاخ قائم کی اور یہ سوسائٹی آج بھی کراچی میں سرگرم عمل ہے۔

جمشید جی بچپن ہی سے دوسروں کے دکھ درد کا خیال رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ کروڑ پتی تھے لیکن وہ سادہ زندگی بسر کرتے اور اپنی آمدنی کا بڑا حصہ غریبوں، بیواؤں اور یتیم بچوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ گاہے بگاہے، ہسپتالوں اور بعض اوقات مریضوں کے گھروں میں عیادت کے لیے جاتے تھے۔ انھیں دیکھ کر مریضوں کے چہرے کھل اٹھتے۔ وہ خود بھی دکھی لوگوں سے مل کر خوش ہوتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کرنے جاتے تو اپنے مخلص کارکنوں کو ساتھ لے جاتے، تاکہ ان کی بھی تربیت ہو جائے۔

جمشید جی بوائے سکاؤٹ تحریک کے بانی ارکان میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ 1952ء میں فوت ہو گئے۔ ان کی وفات پر محکمہ ڈاک پاکستان نے یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ کراچی میں جناح روڈ پر ان کے نام سے ایک بڑا ہال تعمیر کیا گیا۔ فلاسوفیکل سوسائٹی ہر سال ان کی برسی کے موقع پر اجلاس منعقد کر کے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ جب تک کراچی شہر قائم رہے گا، جمشید جی کا نام بھی زندہ رہے گا۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کے کردار کا جائزہ لیجیے۔

2۔ ''جمشید جی کی زندگی عوامی خدمت کی عمدہ مثال ہے'' تبصرہ کیجیے۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ جمشید جی کتنا عرصہ کراچی بلدیہ کے صدر رہے؟

3۔ جمشید جی کی کون سی خوبیاں کاروباری ساکھ کا سبب بنیں؟

4۔ جمشید جی کس سوسائٹی کے ممبر بنے؟

5۔ جمشید جی کس شخصیت سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے؟

6۔ بنک میں جمشید جی کی تقریر کیوں مؤثر ثابت ہوئی؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ جمشید نسروا جی نے نشہ ترک کر دیا کیوں کہ

(ا) یہ ایک خلافِ قانون سرگرمی تھی　　(ب) اسے سماجی طور پر برا سمجھا جاتا تھا

(ج) یہ صحت کے لیے نقصان دہ تھا　　(د) مہنگائی بڑھ گئی تھی

2۔ جمشید نسروان جی مسز بسنٹ سے بہت متاثر تھے کیوں کہ

(ا) وہ بہت پارسا تھیں　　(ب) بڑی عمدہ مقررہ تھیں

(ج) ہوم رول تحریک چلا رہی تھیں　　(د) اچھی اور منجھی ہوئی سیاست دان تھیں

3۔ تھیوسائیکل سوسائٹی کا زیادہ زور

(ا) بچوں کی تعلیم　　(ب) غریبوں کو کھانا کھلانے

(ج) مریضوں کی دیکھ بھال　　(د) یتیموں کی پرورش

4۔ جمشید نسروان جی نے اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا کیوں کہ

(ا) ان کی دیگر مصروفیات بڑھ گئی تھیں　　(ب) سازشوں کی وجہ سے وہ کام نہیں کر پا رہے تھے

(ج) لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھے تھے　　(د) انھیں سیاست سے نفرت ہو گئی تھی

5۔ جمشید نسروان جی ایک مقبول رہنما تھے کیوں کہ

(ا) غریب پرور اور بے لوث سیاسی کارکن تھے　　(ب) کردار کے کھرے تھے

(ج) لوگوں کے دلوں میں اترنے کا فن جانتے تھے　　(د) تھیوسافیکل سوسائٹی کے رکن تھے

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لکھیں۔

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کا تعلق ایک مسیحی گھرانے سے تھا۔

2۔ 1918ء میں جمشید نسروان بلدیہ کے میئر منتخب ہوئے۔

3۔ جمشید نسروان بارہ سال بلدیہ کے صدر رہے۔

4۔ جمشید نسروان بوائے سکاؤٹ تحریک کے بانی رکن تھے۔

5۔ جمشید جی عموماً بیماروں کی تیمارداری کے لیے ہسپتال جایا کرتے تھے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں

1۔ جمشید نسروان جی مہتا کی شخصیت کا جو پہلو آپ کو پسند آیا اس پر آدھے صفحے کا نوٹ لکھیں۔

2۔ آپ کے علم میں کوئی سماجی کارکن قابلِ ذکر ہو تو اس کے اوصاف دوسروں کو بتائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ''رفاہِ عامہ اور ہمارے فرائض''، پر مضمون نویسی کا ایک مقابلہ کرائیں اور اوّل دوم آنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں۔

2۔ مذاہب کا خدمتِ خلق میں کردار اس موضوع پر سوال و جواب کی ایک نشست رکھیں اور اہم نکات نوٹ کر کے کمرۂ جماعت کی زینت بنائیں۔

مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم

الفاظ	معنی
تفہیم	فہمائش، سمجھنا، سوجھ بوجھ حاصل ہونا
حصول	حاصل ہونا
وصال الٰہی	وحدت میں فنا ہونا، خدا تعالیٰ سے ملنا
سماجیات	معاشرے یا سماج کا علم
اجتماعی	مشترکہ، سب کی
متعین	مقرر
باطنی	ظاہری کی ضد، اندر کی
علم بشریات	انسان کے بارے میں علم کی شاخ
ماورائی	نظر نہ آنے والی بالا قوتیں
نسلیات	انسانی نسلوں کے بارے میں علم
اِرتِقا	ترقی، بتدریج بڑھنا، بالیدگی
ہسٹریا	عورتوں کا ایک خاص مرض جس میں پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے
آفاقی	عالمگیر، پوری دنیا سے تعلق رکھنے والا
ہم عصر	ہم زمانہ، ایک عہد والے
ٹولٹک کلچر	ٹولٹک میکسیو کے قدیم حکمران تھے جنھوں نے ایک خاص تہذیب کو پروان چڑھایا۔
اطلاق	لاگو
فیلو	ہم سر، کسی تعلیمی ادارے کی انجمن کا رکن
ضخیم	بہت بڑا، موٹا
مخفی	چھپے ہوئے
مافوق الفطرت	فطری انداز سے بالا، ہٹ کر
تحلیل نفسی	نفسیاتی جائزے کا ایک طریق کار جس میں انسان کے ذہنی محرکات اور اعمال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔
ٹوٹی ازم	ایک مذہبی عقیدہ کہ انسان کا تعلق کسی نہ کسی جانور، پودے یا بے جان چیز سے ہوتا ہے۔
جڑ پکڑنا	مضبوط ہونا، گہرائی تک اترنا
الٰہیات	ایسا علم جس میں خدا کے وجود اور ذات وصفات سے بحث کی جاتی ہے۔
مظاہر فطرت	فطرت کا اظہار، مختلف قسم کے قدرتی مناظر
ہیبت	خوف، رعب
پروٹسٹنٹ	ایک مسیحی فرقہ

مذہب پر معاشرے کے اثرات

الفاظ	معنی
ترسیل	پہنچانا
مسخ ہونا	اچھی صورت کا بری صورت ہونا

وحدتِ ادیان کا تصور

الفاظ	معنی
اساس	بنیاد
توجیہ	وجہ بیان کرنا، دلیل لانا
عمل پیرا ہونا	عمل کرنا
مماثلت	مشابہت
وِجدان	علم کے حصول کی خاص قوت

مذہب اور سائنس

الفاظ	معنی
ماورائی	دنیا سے پرے
رسائی	پہنچ

نفس الامری — اصل بات، درحقیقت
تعین — مقرر
مفروضہ — فرض کیا گیا
بقا — باقی ہونا، بچ رہنا
بعدازاں — اس کے بعد
جامعیت — اکملیت، جامع ہونے کی کیفیت
عمومیت — عام ہونے کی حالت
مابعدالطبیعات — مافوق الفطرت
ایمان بالغیب — غائب پر یقین
قرینِ عقل — وہ بات جسے عقل قبول کرلے
مباحث — بحث یا تفتیش کا کام
عرفان — معرفت، خداشناسی
مفاہیم — مطالب

پاکستان میں مختلف مذاہب

الفاظ	معنی
تسلیم ورضا	خدا کی رضا پر راضی
جینا دوبھر کرنا	زندگی مشکل بنا دینا
زیرِنگیں آنا	مفتوح ہونا، ماتحت آ جانا
پیرو	پیروی کرنے والے
استطاعت	طاقت
تہی دست	مفلس، کنگال
نووارد	نیا، اجنبی
زادِراہ	سفر کے اخراجات
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ	بیشک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
استحکام	پختگی، مضبوطی
زیرِنگیں آنا	فتح ہوجانا
نووارد	اجنبی

تصویب — تصدیق
استطاعت — طاقت
تقویٰ — پرہیزگاری
صدقہ کرنا — عیدالفطر کے موقع پر ایک مقررہ نصاب صدقہ
کبریائی — عظمت، بڑائی
عقیقہ — بچے کی پیدائش پر بکرے کا صدقہ دینا
عزیز و اقارب — رشتہ دار
دعائے مغفرت — بخشش کی دُعا

مسیحیت

الفاظ	معنی
پیروکار	پیروی کرنے والے
رجوع	راغب، پلٹ آنا، میلان
حواری	خاص، مددگار
اخلاص	خالص ہونا
پرچار کرنا	تبلیغ کرنا
توکل	بھروسا
ایثار	قربانی
عَفُو و درگزر	معاف کر دینا
ماخذ	منبع
مصلوب کرنا	پھانسی دینا
روح القدس	مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام

ہندومت

الفاظ	معنی
ازبس	بے حد
رزمیہ	جنگ یا لڑائی سے متعلق
قوت جاذبہ	جذب کر لینے کی طاقت
اشنان کرنا	نہانا
ازسرِنو	نئے سرے سے

ضخیم	بہت بڑی
مرگھٹ	قبرستان
تجسیم	بت بنانا، جسمانی شکل دینا
جون	روپ، بھیس
ارتھی	میّت
سیوا	خدمت

زرتشتیت

الفاظ	معنی
انحراف	پھر جانا، لوٹ جانا
علیم	علم رکھنے والا
مکاشفہ	انکشاف راز کرنا
بصیر	دیکھنے والا
پاتال	زمین کا سب سے نیچے کا حصہ

سکھ مذہب

الفاظ	معنی
ریاضت	محنت، مشق
کیرتن	موسیقی اور خوش الحانی سے حمد پڑھنا
لنگر	جہاں روزانہ غریبوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے
سنگھ	شیر
تشخص	شخصیت، امتیاز، خصوصیت
ستی	ہندومت کی ایک رسم جس میں خاوند کے مرنے پر اس کی بیوی بھی زندہ جلائی جاتی تھی۔
جَپ جی	گروگرنتھ صاحب جی کی ایک خاص نظم
پاٹھ	تلاوت، مقدس کتاب کا پڑھنا، سکھ مذہب میں گروگرنتھ کے پڑھے جانے کو کہتے ہیں۔
کور	شہزادی

اجتماعی عدل اور مساوات

الفاظ	معنی
برگزیدہ	پسندیدہ
بیڑا اٹھانا	ذمہ لینا
متاعِ کارواں	مراد قوم کی مال و دولت
احساسِ زیاں	نقصان کا احساس
کدورت	میل
سیّدنا	ہمارے آقا، ہمارے رہنما
منحرف ہونا	پلٹ جانا، لوٹ جانا
تفاوُت:	فرق، فاصلہ

آوے کا آوا بگڑنا سب کا خراب ہو جانا

فیوڈل لارڈز	جاگیردار طبقہ
اذہان	ذہن کی جمع
مداوا	علاج
سنگ دلی	سخت مزاج
آشتی	صلح، امن

کام کی جگہ پر وقت اور پابندی وقت کی اہمیت

الفاظ	معنی
افادیت	فائدہ
تفویض	سپردگی، تحویل
راست باز	سچا

کام کی جگہ کے آداب

الفاظ	معنی
معیوب	عیب دار، برا
بصیرت	عقل مندی، دل کی بینائی
تفویض کرنا	ذمے لگانا
چرب زبان	چکنی چپڑی باتیں کرنے والا
عافیت	سلامتی، خیریت
توقیر	عزت
آفات	مصیبتیں
چاپلوسی	خوشامد

حسنِ ظن — نیک گمان
مرگ — موت
استفادہ کرنا — فائدہ اٹھانا
لعن طعن کرنا — برا بھلا کہنا

ضمیر کا قیدی

الفاظ	معنی
بیش بہا	بہت بڑی
حریت پسند	آزادی کا متوالا
حقیر	کم درجے کا
دریچے	کھڑکیاں
مشقت طلب	مشکل
مصائب	مصیبتوں
وافر	کافی زیادہ
پائے استقامت	استقلال، عزم وارادہ مراد ہے
آدرش	اصول، نظریہ، معیار
امر	نہ مرنے والا، ہمیشہ کے لیے زندہ
رول ماڈل	نمونہ
مرہونِ منت	احسان مند، شکر گزار
رقم کرنا	تحریر کرنا

چھتنار

الفاظ	معنی
چھتنار	بہت بڑا سایہ دار درخت
لی جنڈ	افسانوی کردار
توانا	طاقت ور
انصرام	بندوبست
صلہ	بدلہ
ستائش	تعریف

مادرِ مہرباں

الفاظ	معنی
جذامی	کوڑھ کے مریض
سمبل	علامت

غریبوں کا مسیحا

الفاظ	معنی
روگ	دکھ، بیماری، وبال
استحصال	لوٹ مار
ڈیفالٹر	قصوروار
پیش قدمی	آگے بڑھنا

عرب دنیا کا عظیم ناول نگار

الفاظ	معنی
مُسلّمہ	تسلیم شدہ
جید	نیک، خالص، زبردست
طوطی بولنا	شہرت ہونا
دسترس	پہنچ
بلند پایہ	اعلیٰ معیار کے
تعطل	التوا
تمثیلی	قصے کہانی والا، ڈراما کا
متنازع	جھگڑے کا باعث
گریزاں	بچے رہنا

دریادل خدمت گار

الفاظ	معنی
سر آنکھوں پر بٹھانا	بہت عزت کرنا
کھاتا پیتا گھرانہ	امیر کبیر خاندان
آنچ آنا	حرف آنا، نقصان ہونا
ہوم رُول	حکومتِ خوداختیاری
ہاری	کاشتکار، مزارع

ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع مرزا نیا دارہ برائے تعلیم وتحقیق جامعہ پنجاب، لاہور میں 30 سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ وہ دس سال تک صدرِ شعبہ بھی رہے۔ انھوں نے دورانِ ملازمت انڈیانہ یونیورسٹی (امریکہ) سے تدریسی تربیت بھی حاصل کی اور ریٹائرمنٹ کے بعد عالمی بنک کے تعاون سے چلنے والے آزاد کشمیر کے لیے ایک منصوبے میں بطور مشیر وابستہ رہے۔ ان کے زیرنگرانی کئی طلبہ پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالات مکمل کر چکے ہیں۔ وہ قومی نصاب سازی کی کمیٹی برائے فنی مضامین، حکومت پاکستان، اسلام آباد کے 1984ء سے رکن ہیں۔ ان کے بہت سے تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں اور دیگر اشاعتی اداروں نے ان کی ایک درجن سے زائد کتب شائع کی ہیں۔ وہ آج کل تخیلاتی جامعہ (ورچوئل یونیورسٹی) سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی نے جامعہ پنجاب کے ادارہ برائے تعلیم وتحقیق سے تعلیم میں ماسٹر کی سند اوّل بدرجہ اوّل حاصل کی۔ اس کے بعد ایم فل اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کیں۔ محکمہ تعلیم حکومت پنجاب میں طویل مدت تک تدریسی اور انتظامی امور سرانجام دینے کے بعد آج کل جامعہ پنجاب کے ادارہ برائے تعلیم وتحقیق اور پنجاب سائنس کالج لاہور میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اقبال اکادمی پاکستان کے دائمی رکن ہیں۔ اکادمی نے ان کی دو کتابیں شائع کی ہیں۔ تحقیق اور نصابیات ان کے خاص میدان ہیں۔ ان کے بہت سے مقالات و مضامین ملکی و غیر ملکی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، آفاق اور دیگر کئی اداروں نے ان کی ایک درجن سے زائد کتابیں شائع کی ہیں۔

نصاب اخلاقیات برائے جماعت گیارھویں

عنوان	صفحہ
پہلا باب: **مذاہب کا تعارف**	01
1- مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم	01
2- مذہب پر معاشرے کے اثرات	08
دوسرا باب: **پاکستان میں مختلف مذاہب**	20
1- اسلام	20
2- مسیحیت	26
تیسرا باب: **اخلاقی اقدار**	43
1- اجتماعی عدل اور مساوات	43
2- معاشرتی ادارے	46
(ریاستی ادارے)	46
(سماجی ادارے)	47
چوتھا باب: **آداب**	53
کام کی جگہ کے آداب	53
1- خدمت گار	55
2- ملاقاتی	56
پانچواں باب: **مشاہیر**	59
1- عبدالستار ایدھی	64
2- مدر ٹریسا	68
3- جمشید سروان جی مہتا	80

؟

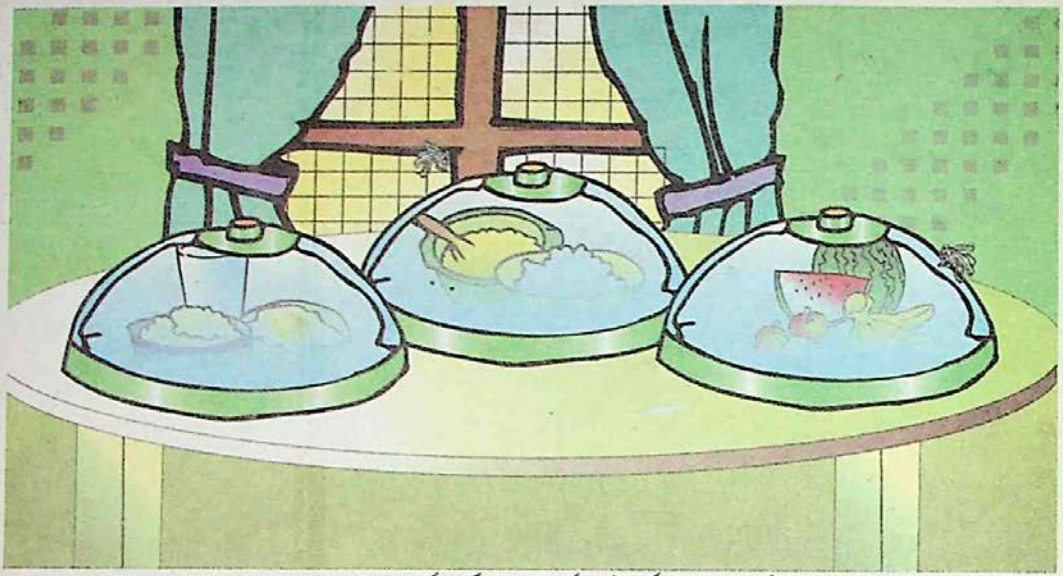

کھانے پینے کی اشیاء کو ڈھانپ کر رکھنا چاہیئے۔

صفائی کے بغیر اچھی صحت ممکن نہیں آپ اپنے گھر اور اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھیں۔

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان کے منظور کردہ قومی نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کتب تیار کر کے مہیا کرتا ہے۔ اگر ان کتب میں کوئی تصور وضاحت طلب ہو، متن اور املا وغیرہ میں کوئی غلطی ہو تو گزارش ہے کہ اپنی آرا سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔

چیئرمین

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ،

21-ای II۔گلبرگ IIIلاہور۔

فیکس نمبر: 042-99230679

ای میل: chairmanptbb@yahoo.com

Al-Makkah

PUNJAB TEXTBOOK BOARD, LAHORE